10 صفر المظفر 1441ھ | اکتوبر 2019ء

عزم و ہمت اور صبر و استقامت کے
89 سال

''علاجِ غم نہیں کرتے فقط تقریر کرتے ہیں''

یوم فتحِ قادیان

برطانوی اور امریکی استعمار کے مزاج کا فرق

کیا حفظِ قرآن بدعت ہے؟

قرار دادِ تکفیرِ قادیانیت

پیکرِ علم و عمل ...... امامِ تاریخ و سیرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاریؒ

الحمدللہ بیسمنٹ ہال، دارالقرآن، دفاتر اور لائبریری کی تعمیر جدید (17,500,000) ایک کروڑ پچھتر لاکھ روپے سے مکمل ہو چکی ہے۔

☆ درجہ کتب کے طلباء کے لیے درس گاہوں، دارالحدیث، دارالاقامہ پر مشتمل نئی عمارت کی تعمیر باقی ہے جس کا تخمینہ تقریباً (3,00,00,000) تین کروڑ روپے سے متجاوز ہے۔

رابطہ برائے ترسیل زرتعاون: سید محمد کفیل بخاری (ناظم مدرسہ معمورہ)

بذریعہ چیک، ڈرافٹ، آن لائن: بنام مدرسہ معمورہ: اکاؤنٹ نمبر

A/C # 5010030736200010
Branch Code : 0729
THE BANK OF PUNJAB

بذریعہ اے ٹی ایم ٹرانسفر: **07290160065740001**

ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

جلد 30 شمارہ 10 | اکتوبر 2019ء / صفر المظفر ۱۴۴۱ھ

Regd.M.NO.32

تشکیل

زرِ تعاون سالانہ

اندرون ملک ---- 300/- روپے
بیرون ملک ---- 5000/- روپے
فی شمارہ ---- 30/- روپے

رابطہ

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

☎061-4511961

www.ahrar.org.pk
www.alakhir.com
majlisahrar@hotmail.com
majlisahrar@yahoo.com

ترسیل زر بنام: ماہنامہ نقیب ختم نبوت

بذریعہ آن لائن اکاؤنٹ نمبر: 1-5278-100

بینک کوڈ 0278 یو بی ایل ایم ڈی اے چوک ملتان

شعبۂ تبلیغ تحفظِ ختمِ نبوت مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل نو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

دل کی بات

''علاجِ غم نہیں کرتے فقط تقریر کرتے ہیں''

سید محمد کفیل بخاری

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں وزیراعظم عمران خان اور حالیہ دورۂ امریکہ میں مختلف مواقع پر اُن کی گفتگو کے بہت چرچے ہیں۔ انہوں نے اسلام فوبیا، توہین رسالت اور مسئلہ کشمیر پر بہترین تقریر کی جو پاکستانی عوام کے دینی وقومی جذبات کی ترجمانی تھی۔ انہوں نے کہا کہ:

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دلوں میں رہتے ہیں۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت پر ہمارے دلوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

☆ مغربی ممالک نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے دلوں میں کیا مقام ہے

☆ اسلام ایک ہی ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا، باقی سب دو نمبر ہے۔

☆ اسلام کو دہشت گردی سے جوڑنا غلط ہے۔

اس بیانیے سے ہر مسلمان اتفاق کرتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ عمرانی حکومت کے عملی اقدمات کی اس تقریر سے کوئی مطابقت بھی ہے۔ کیا صرف جذباتی تقریروں سے پاکستان کو درپیش مسائل حل ہو جائیں گے؟

مسئلہ کشمیر پر بہتّر برسوں سے بڑی جذباتی ہیجان انگیز اور شعلہ بار تقریریں ہو رہی ہیں۔ سابق وزیر خارجہ مسٹر ظفر اللہ خان قادیانی نے اقوام متحدہ میں طویل ترین تقریر کی تھی لیکن تقسیم ہند کے موقعے پر کشمیر کا زمینی راستہ بھی پٹھان کوٹ کے ذریعے اسی قادیانی نے بھارت کو فراہم کیا تھا۔ خان صاحب کی جذباتی تقریر بجا لیکن اُن کی حکومت کے عملی اقدمات اور ناکام ترین سفارتی پالیسیاں محلِ نظر ہیں۔ گزشتہ دورۂ امریکہ کے موقع پر صدر ٹرمپ کی طرف سے مسئلہ کشمیر پر ثالثی کی پیش کش اور وزیراعظم عمران خان کے پاکستان پہنچنے کے بعد بھارتی وزیراعظم نریندر مودی نے مقبوضہ کشمیر ہڑپ کر کے بھارت میں ضم کر دیا۔ اب عمران خان نے امریکہ میں فرمایا کہ:

''صدر ٹرمپ نے مجھے سعودیہ و ایران میں ثالثی کے لیے نہیں کہا''

حکومت کی ناکام خارجہ پالیسی کے نتیجے میں اقوام متحدہ میں پاکستان کو 16 ووٹ بھی نہ ملے جبکہ بھارت 58 ووٹ لے گیا۔ ہمارے جگری دوست سعودی عرب اور امارات نے بھی بھارت کو ووٹ دیا، سعودی شہزادے نے

ہمارے شہزادے کو امریکہ جانے کے لیے جہاز تو دے دیا مگر ووٹ نہیں دیا۔ شہزادہ عمران کو ادراک ہو جانا چاہیے کہ اقوام متحدہ پاکستان کی سینٹ نہیں اگر تقریروں سے ہی کشمیر یا دیگر مسائل حل ہونے ہوتے تو کب کے ہو چکے ہوتے مگر یہاں تو تقریریں کرتے بہتر سال گزر گئے۔ ہماری تقریروں اور ناقص ترین خارجہ پالیسیوں سے کشمیریوں کی تکالیف میں اضافہ تو ہوا کمی نہیں ہوئی اور نوبت بایں جا رسید کہ آزاد کشمیر کی حکومت اور کشمیری عوام بھی ہم سے نالاں اور مایوس ہیں۔

ہمیں عمران خان سے کوئی ذاتی عناد نہیں۔ انہوں نے اپنی تقریر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام سے جس محبت کا اظہار کیا وہ اُن کے دل کی آواز بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن اُن کے اقدامات پالیسیاں اور یوٹرن قول و فعل میں تضاد کی عکاسی کرتے ہیں۔ اپنے طویل ترین دھرنے میں انہوں نے بڑی مؤثر تقریریں کیں لیکن......

کہاں ہے انصاف؟

سانحۂ ساہیوال کے سفاک مجرم دندنا رہے ہیں اور مظلوم بچوں کی سسکیاں انصاف کو آواز دے رہی ہیں۔
توہین رسالت پر یقیناً آپ کے دل میں درد ہوتا ہے لیکن توہین کی مرتکب سزا یافتہ ملعونہ آسیہ کو رہا کر کے امریکہ میں اس کا کریڈیٹ بھی آپ نے لیا۔

ختم نبوت پر ایمان کا اظہار اور مریکہ میں غدّ ارانِ ختم نبوت قادیانیوں کے منعقدہ اجتماع میں تقریر بھی آپ ہی کا کارنامہ ہے۔ آپ کے وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی کی برطانیہ میں قادیانی لارڈ طارق سے ملاقات اور وزیر ریلوے ''مجاہد ختم نبوت'' شیخ رشید احمد کی قادیانی ایونٹ میں شرکت کو کیا نام دیا جائے؟

چناب نگر کے معروف قادیانی کتب فروش عبدالشکور چشمے والا ایک سزا یافتہ مجرم تھا۔ اسے رہا کر کے امریکہ بھجوانے کا کریڈیٹ بھی تو آپ ہی کو جاتا ہے۔ شکورے کو وائٹ ہاؤس میں ٹرمپ تک پہنچانے اور پاکستان کی شکایت لگانے کا کریڈیٹ بھی آپ ہی کو جاتا ہے۔ اور اب...... ماتحت عدالتوں سے 1999ء میں توہین رسالت کے مقدمے میں گرفتار ہائی کورٹ تک سزائے موت پانے والا مجرم وجیہ الحسن بھی رہا کر دیا گیا ہے۔

عمران خان صاحب! آپ مذہبی کارڈ بھی کھیل رہے ہیں اور مذہب کو نقصان بھی پہنچا رہے ہیں۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین پڑھ کر مذہب کا استیصال اور دین داروں کا استحصال، یہ آپ ہی کا کریڈیٹ ہے۔

وہی قتل بھی کرے ہے، وہی لے ثواب الٹا

خدا را ملکِ عزیز اور اس کے عوام کے حال پر رحم فرمائیں۔

''وقت نے دی ہے تمہیں چارہ گری کی مہلت''

اقتدار آزمائش ہے۔ جو آپ نے شدید خواہش پر مانگ کر لیا ہے۔ گرم توے پر بیٹھنے سے پہلے آپ کو سوچنا چاہیے تھا۔ کوئی اچھا کر سکتے ہیں تو کیجیے ورنہ قوم کی جان چھوڑ دیجیے۔

حیاتِ امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ ...... ضروری وضاحت

6 ستمبر 2019ء کی شام ایک دوست نے مطلع کیا کہ ''حیاتِ امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ، مصنفہ جانباز مرزا مرحوم'' کے موجودہ ایڈیشن شائع شدہ مارچ 2018ء کے حوالے سے فیس بک پر بعض دوستوں نے اعتراض کیا ہے کہ راقم (سید محمد کفیل بخاری) نے یزید کے بارے میں حضرت امیرِ شریعت کے دو جملے حذف کر دیے ہیں۔ میں نے کتاب دیکھی تو واقعتاً صفحہ 268 پر دو جملے حذف تھے۔ جو 1939ء کے مشہور مقدمۂ بغاوت معروف بہ لدھارام کیس کی کارروائی کا حصہ ہیں اور کتاب کے پرانے ایڈیشن کے صفحہ 262-263 پر موجود ہیں۔ علاوہ ازیں مقدمات امیرِ شریعت مرتبہ مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ میں بھی موجود ہیں۔

میں اس کتاب کی پرانی کتابت کے تقریباً چھے ایڈیشن شائع کر چکا ہوں ان میں بھی مذکورہ جملے بعینہٖ موجود ہیں۔ اصولی طور پر کتاب کے متن کو تبدیل کرنے کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں۔

موجودہ ایڈیشن کمپیوٹر کتابت میں پہلا ایڈیشن ہے۔ تفتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ مذکورہ جملے پروف ریڈر نے اپنی رائے سے بذاتِ خود خاموشی سے حذف کیے ہیں۔ کتابت مارکیٹ سے ہوئی، سہولت کے لیے پروف ریڈر بھی مارکیٹ سے اجرت پر حاصل کیا اور اعتماد کی بنیاد پر تصحیح شدہ مسودہ دوبارہ نہ دیکھا جا سکا۔ چونکہ کتاب ہمارے ادارے سے شائع ہوئی اس لیے اس غلطی کی ذمہ داری بھی مجھ پر ہی آتی ہے۔ اس غیر ذمہ دارانہ حرکت پر میں نے پروف ریڈر کی سخت سرزنش کی۔ علاوہ ازیں بے توجہی سے پروف پڑھنے کی وجہ سے بعض دیگر کتابتی اغلاط بھی رہ گئی ہیں۔

میں نے فیس بک پر تو اسی وقت وضاحت کر دی تھی لیکن بعد میں مختلف احباب نے فون کے ذریعے اور ملاقات پر زبانی اس فاش غلطی پر متوجہ کیا۔ خصوصاً عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے رہنما مولانا اللہ وسایا نے ذاتی طور پر متوجہ کیا۔ میں ان تمام احباب کا شکر گزار ہوں جنھوں نے اس نامناسب ترمیم و حذف کی بروقت نشان دہی کی اور انہیں جو تکلیف ہوئی اس پر معذرت خواہ ہوں۔

فوری طور پر مذکورہ صفحہ تصحیح کے بعد دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔ کتاب کا جتنا سٹاک ہمارے پاس یا جس ادارے کے پاس موجود ہے تمام نسخوں میں اسے چسپاں کر دیا جائے گا۔ اصل کمپوزنگ میں بھی تصحیح کر دی ہے تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اس غلطی کا اعادہ نہ ہو۔ امید ہے کہ اس تفصیلی وضاحت کے بعد احباب و قارئین کو اطمینان ہو جائے گا۔

42ویں سالانہ ختم نبوت کانفرنس چناب نگر (11-12 ربیع الاوّل 1441ھ)

عبداللطیف خالد چیمہ

7ستمبر 1974ء کو پارلیمنٹ کے فلور پر لاہوری وقادیانی مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا اور 1975ء میں ربوہ میں قائد احرار سید عطاء المحسن بخاری رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے دیگر رفقائے کرام کا ربوہ میں آنا جانا شروع ہوا، ڈگری کالج کے قریب ایک قطعۂ زمین بڑی تگ ودو کے بعد خریدا گیا، جہاں 27؍ فروری 1976ء کو پہلی نماز جمعتہ المبارک کا اعلان کیا گیا۔ ملک بھر میں اس کا پر جوش خیر مقدم کیا گیا تحریک طلباء اسلام کے ناظم اعلیٰ بھائی محمد عباس نجمی مرحوم کو ایک روز قبل فیصل آباد سے گرفتار کرلیا گیا، ربوہ میں پہلے جمعتہ المبارک کا اعلان ملک بھر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا، لوگ دیوانوں کی طرح ربوہ کی طرف چل پڑے، راستے روکے گئے گرفتاریاں ہوئیں، لوگوں نے دریائے چناب کے کناروں اور اس کے ارد گرد نماز جمعہ ادا کی، بے شمار کارکنوں کو حراست میں لے لیا گیا، قائد احرار حضرت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ کو مسجد احرار کا سنگ بنیاد رکھنے کے بعد دوران تقریر گرفتار کرلیا گیا، ہراسمنٹ کے باوجود بہت سے لوگ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، راقم الحروف اپنے ایک کلاس فیلو چودھری محمد ارشاد کے ساتھ دور دراز کا پیدل سفر کر کے حیلے سے پہنچنے میں کامیاب ہو گیا، بطل حریت حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمتہ اللہ علیہ میرے سامنے تشریف لائے اور تقریر بھی کی، ملک رب نواز ایڈووکیٹ نے لوگوں سے کہا کہ ''وہ شاہ جی آ رہے ہیں''۔ ہم نے دیکھا تو قائد احرار سید عطاء المحسن بخاری بھیس بدل کر آ رہے تھے، حضرت مولانا غلام غوث ہزاری نے ملک رب نواز کو ٹوکا کہ، نام نہیں لیتے نا! اتنے میں شاہ جی پہنچے اور پولیس کی سنگینوں کے سامنے گرج دار آواز میں پولیس کو مخاطب کر کے کہا کہ ''روز قیامت ہمارا ہاتھ اور تمہارا گریبان ہوگا''، تقریر کیا تھی اپنے آبا کی قادیان والی یاد تازہ کردی، پولیس آگے بڑھ کر گرفتار کرنے لگی، تو جرأت رندانہ کے ساتھ فرمانے لگے کہ ''میں تقریر کر کے خطبہ دوں گا، پھر نماز پڑھاؤں گا اور پھر گرفتاری دوں گا''، چنانچہ ایسا ہی ہوا، بس یہ ایک منظر تھا جو زندگی بھر محو نہ ہو سکے گا اور دل کی سکرین پر اس کا سحر ان شاء اللہ تعالیٰ روز قیامت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈھیر کر دے گا۔ 1976ء سے تادم تحریر یہ مرکز وسعت بھی اختیار کر رہا ہے اور کام کا دائرہ بھی وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ آنے والے 11-12 ربیع الاوّل کو حسب سابق امسال بھی دوروزہ سالانہ ختم نبوت کانفرنس جامع مسجد احرار چناب نگر میں قائد احرار حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ العالی کی سرپرستی میں تزک واحتشام کے ساتھ منعقد ہوگی، کانفرنس کے اختتام پر جلوس دعوت اسلام پرشکوہ انداز میں نکالا جائے گا اور قادیانیوں کو دعوت اسلام کا فریضہ دہرایا جائے گا۔ مجلس احرار اسلام پاکستان کی جملہ ماتحت شاخوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ پہلے کی طرح ابھی سے تیاریاں شروع کردیں اور ان حالات میں جبکہ منکرین ختم نبوت کو مختلف سطحوں پر نوازا جا رہا ہے، قادیانی ریشہ دوانیوں کو طشت ازبام کرنے کے لیے کمربستہ ہو جائیں۔ کانفرنس اور جلوس کی حفاظت کے لیے دعاؤں کا اہتمام کریں اور دامے، درمے، سخنے تعاون کا ہاتھ بڑھائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ اور ہم سب کا حامی وناصر ہو۔ آمین یارب العالمین!

یومِ فتح قادیان

عبداللطیف خالد چیمہ

برٹش ایمپائر نے مسلمانوں سے جذبۂ جہاد ختم کرنے اور فرقہ واریت کو پروان چڑھانے کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی کی شکل میں فتنۂ اِرتدادِ مرزائیہ کو کھڑا کیا، مرزا غلام احمد قادیانی نے مسیلمۂ کذاب کی جانشینی کا حق ادا کیا اور قادیانی جماعت نے اپنے آقاؤں کی تابعداری میں تنسیخ جہاد کے لئے پورا زور لگا دیا، بہت سے مؤثر سرکاری اداروں میں قادیانیوں نے رسوخ حاصل کرلیا اور بعض سرکاری محکموں میں قادیانی سفارش سے بھرتی ہونے لگے، قادیان میں مرزائیوں نے اپنی اکثریت کے زعم میں انسانیت پر جو ظلم رواء رکھا، اس قصبہ کی غیر مرزائی آبادی کو جس طرح پریشان کیا، قادیان میں نبوت کے جھوٹے دعویدار مرزا غلام احمد قادیانی کی ذریت نے عالم اسلام کو جس افتراق وانتشار کا نشانہ بنایا تاریخ اس کا جواب مہیا نہیں کرسکتی، رائج الوقت قانون کی موجودگی میں خلیفہ قادیان کے گھریلو آئین، دن کی روشنی میں اپنے مخالفوں کا قتل عام مسلمانوں اور غیر مسلموں سے اقتصادی مقاطعہ معصوم عصمتوں کی ہلاکت قصر خلافت میں اخلاق سوز حرکتوں کا ارتکاب یہ تھے، وہ عوامل جس سے مسلمان ہی نہیں غیر مسلم بھی سیخ پاء تھے، سلطنت برطانیہ کے خلاف آزادی کی ہر آواز کو دبانے کے لئے قادیانی مُخبر حق نمک ادا کرنے لگے، قادیانی تحریک کا ہر فرد برطانوی سامراج کے مفادات کا محافظ اور وفادار بن کر رہ گیا، تمام مکاتب فکر علمی سطح پر تعاقب میں مصروف ہو گئے، اسی دوران مجلس احرار اسلام جو مسلمانوں کے لیے مسیحاء بن کر اٹھی۔ 1920ء میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے بندے ماترم ہال امرتسر میں مرزا بشیر الدین محمود کو ٹوکا کہ تم حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تحریف کر کے مرضی کی تشریح کے ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی کو سچا قرار نہ دو بھرے ہال میں ہنگامہ کھڑا ہو گیا، حضرت امیر شریعت نے مرزا بشیر الدین محمود کو للکارا کہ حدیث شریف میں تحریف نہیں کرنے دونگا، چنانچہ پہلے عوامی معرکے میں مرزا بشیر الدین اسٹیج چھوڑ کر بھاگ نکلا شاہ جی نے حدیث شریف کی روشنی میں حاضرین سے خطاب کیا، یہی جدوجہد سامراج دشمنی اور قادیانیت کے تعاقب کی راہیں متعین کرنے لگی اور مجلس احرارِ اسلام کی بنیاد رکھی گئی۔ احرار محدث العصر حضرت سید محمد انور شاہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ کی دعاؤں اور مولانا ابوالکلام آزاد رحمتہ اللہ علیہ کی آرزو کا نتیجہ تھی۔ تو حضرت مفتی کفایت اللہ، چودھری افضل حق، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا محمد داؤد غزنوی رحمہم اللہ کی مشاورت وتائید سے احرار کا پلیٹ فارم سامنے آیا، جو بہت سے نشیب وفراز اور دشمن کی چیرہ دستیوں کے باوجود آج بھی الحمد اللہ قافلۂ سخت جاں کے طور پر پھر سے منظم ہو رہا ہے۔ مرزا غلام نبی جانباز رحمتہ اللہ علیہ ''حیات امیر شریعت'' میں لکھتے ہیں کہ ''1857ء کے بعد انگریزی سامراج نے جن تحریکات کو از خود جنم دے کر پروان چڑھایا، مرزائیت اسی پودے کا اہم بیج تھا۔ احرار رہنماؤں کے تدبّر نے اس سے چشم پوشی کو ہندوستان سے غداری اور اسلام کے بنیادی عقیدۂ ختمِ نبوت سے انحراف سمجھ کر قادیان کے نظامِ حکومت میں دراڑ ڈالنا ضروری خیال کیا۔

اپریل 1924ء میں محدث العصر حضرت مولانا علامہ انور شاہ کاشمیری، حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری، حضرت مولانا مرتضٰی حسن چاند پوری، مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا بہاؤالحق قاسمی، مولانا نور احمد، سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور دیگر اکابر رحمہم اللہ کا قادیان آنا جانا شروع ہو گیا تھا۔ یہ سلسلہ بڑی حکمت کے ساتھ چلتا رہا اور آگے بڑھتا رہا تا آنکہ 23,22,21 اکتوبر 1934ء کو قادیان میں حضرت امیر شریعت کی صدارت میں تبلیغی کانفرنس کرنے کا اعلان کیا گیا۔ اس فیصلے سے مرزائی اور حکومت اپنی اپنی جگہ سوچ میں پڑ گئے، پنجاب میں خصوصاً احرار رضا کاروں نے کانفرنس میں شمولیت کی تیاریاں شروع کر دیں، جہاں مسلمان کانفرنس کی تیاریوں میں مگن ہوگئے، وہاں قادیانیوں نے بھی رائج الوقت اسلحہ، برچھے، کلہاڑیاں و دیگر سے لیس ہو کر مسلمانوں کو ہر قسم کا جواب دینے کی تیاری شروع کر دی۔ مسلمانوں کا شوق دیدنی تھا۔ احرار تبلیغ کانفرنس کے لیے سپیشل ٹرینیں چلائی گئیں۔ لدھیانہ، لاہور، امرتسر، دہلی، پشاور، گوجرانوالہ، کوئٹہ سے کراچی، سری نگر سے سیالکوٹ ہر طرف گہما گہمی تھی، 21 اکتوبر صبح گیارہ بجے چالیس ڈبوں پر مشتمل احرار سپیشل ٹرین جس میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ہزاروں احرار سرخ پوش رضا کار سوار تھے۔ امرتسر سے قادیان کے لیے روانہ ہونے والی ٹرین کے دونوں جانب انجن تک احرار کے سرخ پرچم لہرا رہے تھے۔ احرار پرچم کی اڑانوں نے قادیانیوں کے چہروں کی رنگت اڑا دی تھی، قصر خلافت کے مینار ایڑیوں کے بل اچھل اچھل کر احرار سپیشل ٹرین کا نظارہ کر رہے تھے۔ قادیان کا سومنات احرار غزنوی کے قدموں میں ڈھیر ہو رہا تھا۔ قادیان کے مسلمان، سکھ اور ہندو اس دن کو یوم نجات کہہ کر خوشی منا رہے تھے۔ کفر اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے باوجود لرزہ براندام تھا کہ ٹھیک 1:30 بجے یہ قافلہ حریت قادیان ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گیا۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالکریم مباہلہ رحمتہ اللہ علیہ قافلۂ سالار کی حیثیت سے افواج ایمان کے ساتھ قادیان کے لات و ہبل پر حملہ آور ہوئے۔ جہاں اسلامی دنیا کی عظیم شخصیات شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، ابوحنیفہ ہند مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ، ابوالوفا مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ، ظفر الملت مولانا ظفر علی خان رحمہ اللہ، امام الاؤلیا مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ سمیت بے شمار اولیا و صلحاء نے اپنی تائیدات کا اظہار فرمایا۔ یوں 21 اکتوبر 1934ء قادیان میں پہلی احرار تبلیغ کانفرنس منعقد ہوئی اور ان عظیم رہنماؤں اور احرار رضا کاروں کو اللہ کریم نے قادیان میں پہلی فتح عظیم سے سرفراز فرمایا، اِس کانفرنس جس نے پوری دنیا میں قادیانیت کے دجل و فریب کو بے نقاب کیا اِس سے پہلے ایک طویل عرصہ کس طرح سوچ و بچار کر کے اِس کو پلان کیا گیا اور کتنے حضرات کو قربانی دینا پڑی اس کے لئے ایک دفتر کی ضرورت ہے حضرت امیر شریعت نے 21 اکتوبر کو رات دس بجے سے سحر تک شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ کی صدارت میں جو تقریر کی اس نے پوری دنیا پر واضح کر دیا کہ قادیانیت کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں شاہ جی کی تقریر پر مقدمہ ہوا اور سزا بھی لیکن مسٹر جی، ڈی، کھوسلہ سیشن جج گورداسپور نے فریقین کے وکلاء کی بحث کے بعد جو فیصلہ دیا اِس کو تحریکِ ختم نبوت کی تاریخ میں ممتاز حیثیت حاصل ہے اور اس فیصلے نے خود ''فیصلہ'' کر دیا۔ اکابر احرار اور قافلۂ ختم نبوت نے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی قیادت میں انگریزی جبر و استبداد کے باوجود قادیان میں 21 تا 23 اکتوبر 1934ء کو ''احرار تبلیغ

کانفرنس'' کا انعقاد کر کے پوری دنیا پر فتنۂ قادیانیت اور مرزا غلام احمد قادیانی کی حقیقت کو آشکارا کر دیا تھا۔ مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا سید حسین احمد مدنی، پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہم اللہ اور اِن کے پیرو کار تحریک ختمِ نبوت کی پُشت پر کھڑے تھے۔ مصور پاکستان ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، مولانا ظفر علی خان رحمہما اللہ اور یونیوسٹائز طبقہ بھی قادیانیوں کو دین وملت کا غدار قرار دے رہا تھا لیکن دنیا پر قادیانیت کا کفر وارتداد واضح کرنے کے لیے مجلس احرارِ اسلام نے قادیان میں شعبۂ تبلیغ تحفظ ختم نبوت قائم کیا اور پورے ہندوستان میں اس کے دفاتر قائم کیے۔ قادیان میں کفر وارتداد کا تسلط اور غرور توڑ کے رکھ دیا۔ فاتح قادیان مولانا محمد حیات، مولانا عنایت اللہ چشتی رحمہما اللہ اور دیگر رہنماؤں کی قیادت میں احرار کارکنوں نے جفاکشی اور سرفروشی کی ایک نئی تاریخ رقم کی۔ مفکر احرار چودھری افضل حق رحمتہ اللہ علیہ تاریخ احرار میں لکھتے ہیں کہ ''جماعت کی ورکنگ کمیٹی میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ قادیان میں پہلے پہل جا کر کے کام کا آغاز کرنے کے لیے کوئی ایسا ساتھی اپنا نام پیش کرے جس کی شادی نہ ہوئی ہوتا کہ اگر وہ قادیانیوں کے ہاتھوں شہید ہو جائے، تو ..... اس پر مولانا عنایت اللہ چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنا نام پیش کیا اور قادیان میں جا کر اپنا کام شروع کر دیا پھر مولانا محمد حیات رحمتہ اللہ علیہ قادیان پہنچے اور دارالمبلغین کا قیام عمل میں آیا جبکہ قاضی احسان احمد شجاع آبادی، ماسٹر تاج الدین انصاری، جانباز مرزا، مولانا لعل حسین اختر مرحومین اور دیگر رہنما قادیان آتے جاتے رہے اور کام منظم ہوتا رہا۔ اکتوبر 1934ء کی اس بنیادی، کلیدی اور تاریخی احرار کانفرنس کی مناسبت سے مجلس احرار اسلام پاکستان کے شعبہ تبلیغ تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام 23,22,21 اکتوبر کو ''یادِ ماضی'' کی ورق گردانی کی جاتی ہے اور مختلف اجتماعات میں ان حسین یادوں کو تازہ اور زندہ کر کے لہو کو گرم کر لیا جاتا ہے۔ جس سے ایمان کو حرارت پہنچتی ہے اور بیٹری چارج ہو جاتی ہے۔ اس دفعہ 21 اکتوبر سوموار کو آ رہا ہے اس روز ہم ان شاء اللہ تعالیٰ ''یوم فتح قادیان'' منائیں گے۔ چناب نگر (ربوہ) میں قافلۂ احرار 27 رفروری 1976ء کو فاتحانہ انداز میں داخل ہوا۔ چھ ضلعوں کی پنجاب پولیس نے لوگوں کا راستہ روکا اور ہر طرف سے ناکہ بندی کر کے قافلوں کو روکا۔ منظر دیدنی تھا، اس وقت کی پیپلز پارٹی نے فسطائیت کی انتہا کی، تاریخ ربوہ میں پہلے داخلے کے موقع پر قائد احرار سید ابومعاویہ ابوذر بخاری اور سید عطاء المحسن بخاری مرحومین کو ربوہ، مسجد احرار کے سنگ بنیاد کے بعد گرفتار کر لیا گیا۔ بطل حریت حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمتہ اللہ علیہ اور ملک رب نواز ایڈووکیٹ نے خطاب کیا، بعد ازاں اِن ناروا پابندیوں کی صدائے بازگشت پنجاب اسمبلی میں بھی سنی گئی۔ دراصل ربوہ میں تاریخ کے پہلے داخلے کو قادیان کے تسلسل سے ہی موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ اعزاز بھی احرار اور فرزندان امیر شریعت کے حصے میں آیا۔ اب ہر سال 11-12 ربیع الاوّل کو ربوہ میں سالانہ ختم نبوت کانفرنس کے اختتام پر دعوتی جلوس نکالا جاتا ہے اور ''ایوان محمود'' کے عین سامنے قادیانیوں کو دعوت اسلام کا فریضہ دہرایا جاتا ہے۔ امسال بھی ان شاء اللہ تعالیٰ نومبر میں اس عمل مبارک کا اعادہ کیا جائے گا، قافلۂ احرار اس وقت ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ العالی، پروفیسر خالد شبیر احمد، سید محمد کفیل بخاری، میاں محمد اویس، مولانا محمد مغیرہ، سید عطاء اللہ شاہ ثالث، ڈاکٹر عمر فاروق احرار اور قاری محمد یوسف احرار کی پرعزم قیادت میں بتدریج آگے بڑھ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نظر بد سے بچائیں اور ہم سب کو مل جل کر اکابر کی اِس جماعت کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کی توفیق عطاء فرمائیں، آمین یارب العالمین!

جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں

حامد میر

ناکامی یا غلطی کو تسلیم کرنے والے لوگ بہادر کہلاتے ہیں۔ ناکامی پر بہانے تراشنے اور ناکامی کو چھپانے کیلئے جھوٹ بولنے والے لوگ صرف بزدل نہیں بلکہ ناقابل اعتبار بھی ہوتے ہیں۔ پاکستانی قوم سے بھی ایک بہت بڑی ناکامی کو چھپایا جا رہا ہے۔ جو بھی اس ناکامی کی وجہ جاننے کیلئے سوال اٹھائے گا اسے غدار، کرپٹ اور نجانے کیا کیا کہا جائے گا لیکن سوال تو اٹھے گا اور اس مرتبہ غدار اور کرپٹ اہل صحافت کو میڈیا ٹربیونلز سے ڈرانے والوں کو جواب بھی دینا پڑے گا۔

سوال یہ ہے کہ گیارہ ستمبر کو پاکستان کے وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی نے جنیوا میں یہ دعویٰ کیا کہ اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کونسل میں پاکستان نے پچاس سے زیادہ ممالک کی حمایت سے ایک مشترکہ بیان پیش کر دیا ہے جس میں بھارت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ مقبوضہ جموں وکشمیر میں انسانی حقوق کی پامالی بند کرے۔ بھارت نے فوری طور پر شاہ محمود قریشی کے اس بیان کو مسترد کر دیا اور کہا کہ پچاس سے زائد ممالک کی حمایت کا دعویٰ جھوٹ ہے۔

اگلے دن 12 ستمبر کو پاکستان کے وزیر اعظم عمران خان نے ایک بیان میں دعویٰ کیا کہ اقوام متحدہ کی ہیومن رائٹس کونسل میں پاکستان کی جانب سے پیش کئے گئے بیان کو 58 ممالک کی حمایت حاصل ہے اور عمران خان نے ان تمام ممالک کا شکریہ بھی ادا کر دیا۔ بھارت نے اس بیان کی بھی تردید کر دی لیکن پاکستانی قوم کو یہی بتایا گیا کہ مسئلہ کشمیر پر پاکستان کو زبردست سفارتی کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں اور 27 ستمبر کو وزیر اعظم عمران خان اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں نریندر مودی کو بے نقاب کر دیں گے۔

پاکستان کو اقوام متحدہ کی ہیومن رائٹس کونسل میں 19 ستمبر تک بھارت کے خلاف ایک قرارداد پیش کرنا تھی تاکہ اس قرارداد کی روشنی میں مقبوضہ جموں وکشمیر کی صورتحال پر کونسل کا خصوصی اجلاس بلایا جا سکے۔ اس قرارداد کو پیش کرنے کیلئے پاکستان کو کونسل کے 47 میں سے صرف 16 رکن ممالک کی حمایت درکار تھی۔

19 ستمبر کو دوپہر ایک بجے کی ڈیڈ لائن تھی۔ میں نے صبح سے اسلام آباد کے دفتر خارجہ اور جنیوا میں اہم لوگوں سے رابطے شروع کئے تاکہ پاکستان کی قرارداد کی حمایت کرنے والے ممالک کے نام پتا چل سکیں۔

پہلے کہا گیا فکر نہ کریں تھوڑی دیر میں قرارداد جمع ہونے والی ہے پھر نام بتائیں گے۔

جب ڈیڈ لائن گزر گئی تو کہا گیا کہ قرارداد تو جمع ہی نہیں ہوئی۔ یہ سُن کر میں نے پوچھا کہ ہمارے وزیر اعظم نے 58 ممالک کی حمایت کا دعویٰ کیا تھا آپ کو تو صرف 16 ووٹ درکار تھے پھر قرارداد جمع کیوں نہ ہوئی؟ کہا گیا شاہ محمود قریشی صاحب سے پوچھیے۔ تو جناب سوال بڑا سادہ ہے۔ اگر آپ کے پاس 16 ممالک کی حمایت نہیں تھی تو آپ نے 58 ممالک کی حمایت کا دعویٰ کیوں کیا اور اگر آپ کے پاس مطلوبہ حمایت موجود تھی تو آپ نے اقوام متحدہ کی ہیومن رائٹس کونسل میں قرارداد کیوں جمع نہ کرائی؟ کیا چکر چل رہے ہیں اور کون کس کو چکر دے رہا ہے؟

میرے سادہ سے سوال کا جواب یہ نہیں ہے کہ تم غدار ہو، تم بلیک میلر ہو، تم کرپٹ ہو۔ مجھے یہ جاننا ہے کہ اقوام متحدہ کی ہیومن رائٹس کونسل کے 47ارکان میں چین شامل ہے، سعودی عرب، قطر، بحرین، عراق، نائیجیریا، تیونس اور صومالیہ شامل ہیں۔ ان مسلم ممالک کے علاوہ اس کونسل میں ٹوگو، برکینا فاسو، سینی گال اور کیمرون بھی شامل ہیں جو او آئی سی کے رکن ممالک ہیں۔ پاکستان ان مسلم ممالک کی حمایت کیوں حاصل نہیں کر سکا؟ اس کونسل میں افغانستان اور بنگلہ دیش بھی شامل ہیں۔ ان دونوں مسلم ممالک کے عوام کشمیریوں کے ساتھ ہیں لیکن حکومتیں بھارت کے ساتھ ہیں لیکن کیا پاکستان نے ڈنمارک کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی جو انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے ممالک پر تجارتی پابندیاں عائد کرنے کا حامی ہے؟

اگر 16 ممالک کی حمایت نہیں مل سکی تو یہ اس لئے ایک بڑی ناکامی ہے کہ اقوام متحدہ کی ہیومن رائٹس کونسل خود اپنی حالیہ رپورٹ میں مقبوضہ جموں و کشمیر کی صورتحال پر تشویش کا اظہار کر چکی ہے لہٰذا اس معاملے کو خصوصی اجلاس میں زیر بحث لانے کیلئے 47 میں سے 16 ممالک کی حمایت حاصل کرنا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ چلیں اگر 16 ممالک کی حمایت حاصل کرنے میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑ گیا تو کوئی بات نہیں، لیکن ناکامی کو چھپانے کیلئے 58 ممالک کی حمایت کا دعویٰ کیوں کیا گیا؟

کیا پاکستانی قوم کے ساتھ جھوٹ بول کر آپ کشمیر کے مقدمے کو مضبوط کر رہے ہیں یا کمزور؟

اقوام متحدہ کی ہیومن رائٹس کونسل کا اجلاس 27 ستمبر کو ختم ہو جائے گا۔ اس دن نیویارک میں وزیراعظم عمران خان نے جنرل اسمبلی کے اجلاس سے خطاب کرنا ہے۔

ہمیں یہ تو نہیں بتایا جا رہا کہ 19 ستمبر کو پاکستان نے جنیوا میں قرارداد کیوں پیش نہ کی؟ ہمیں بار بار کہا جا رہا ہے کہ 27 ستمبر کو عمران خان جنرل اسمبلی میں مودی کے پرخچے اڑا دیں گے۔ اس جنرل اسمبلی میں پہلی دفعہ کوئی پاکستانی وزیراعظم مسئلہ کشمیر نہیں اٹھائے گا۔ میں نے اس جنرل اسمبلی میں 1995ء میں محترمہ بے نظیر بھٹو کی تقریر سنی تھی جس پر میرے ساتھ بیٹھے ہوئے بھارتی صحافیوں کے پسینے چھوٹ گئے تھے۔ 2016ء میں نواز شریف نے اسی جنرل اسمبلی میں کشمیری مجاہد برہان وانی کو خراجِ تحسین پیش کیا تو پورے بھارت میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ یقیناً عمران خان بھی جنرل اسمبلی میں ایک دھواں دھار تقریر کریں گے لیکن کشمیریوں کو صرف تقریروں کی نہیں عملی اقدامات کی بھی ضرورت ہے۔

اگر آپ بھارت سے جنگ نہیں کر سکتے تو کم از کم جنیوا میں 16 ممالک کی حمایت سے ایک قرارداد تو پیش کر سکتے تھے لیکن افسوس کہ قرارداد پیش کرنے کے معاملے میں پاکستانی قوم کیساتھ دھوکہ کیا گیا۔

اگر ہم کشمیر کے معاملے پر اپنوں کیساتھ سچ نہیں بولیں گے تو دنیا کو کیا سچ بتائیں گے؟ ہمیں کہا جا رہا ہے کہ کشمیر کی لڑائی میڈیا نے لڑنا ہے کیونکہ میڈیا فرنٹ لائن آف ڈیفنس ہے۔ یہ لڑائی ہم نے پہلے بھی لڑی تھی، آئندہ بھی لڑیں گے۔ میڈیا ٹربیونلز کی زنجیریں پہن کر بھی لڑیں گے۔

ان زنجیروں کو بھی توڑیں گے اور کشمیریوں کی زنجیروں کو بھی توڑیں گے لیکن خدارا کشمیر کے نام پر دھوکہ دہی بند کی جائے۔ اپنی سیاسی و معاشی ناکامیوں سے توجہ ہٹانے کیلئے کشمیر کے نام پر شور نہ مچایا جائے۔ کشمیر کا مسئلہ صرف گرجنے سے نہیں بلکہ برسنے سے حل ہوگا کیونکہ جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں۔ (23 ستمبر 2019)

برطانوی اور امریکی استعمار کے مزاج کا فرق

حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب

تاریخ اور سیاست کے طالب علم کے طور پر ایک بات عرصہ سے محسوس کر رہا ہوں اور کبھی کبھار نجی محافل میں اس کا اظہار بھی ہوتا رہتا ہے مگر اب اس احساس میں قارئین کو شریک کرنے کو جی چاہ رہا ہے، وہ یہ کہ ہر استعمار کا الگ مزاج ہوتا ہے اور اس کے اظہار کا اپنا انداز ہوتا ہے، ہم نے برطانوی استعمار کے تحت دو صدیاں گزاری ہیں، ایک صدی ایسٹ انڈیا کمپنی کی ماتحتی میں اور کم و بیش اتنا ہی عرصہ تاج برطانیہ کی غلامی میں گزار کر ۱۹۴۷ء سے آزاد قوم کی تختی اپنے سینے پر لٹکائے ہوئے ہیں۔ مقامی آبادی کے مختلف طبقوں اور گروہوں سے کام لینا ہر استعمار کی ناگزیر ضرورت ہوتی ہے، کچھ سے ظاہری طور پر اور کچھ سے مخفی دائروں میں کام لیا جاتا ہے۔ تاریخ برطانوی استعمار کا مزاج یہ بتاتی ہے کہ جن سے خفیہ طور پر کام لیا جائے ان کی رازداری برقرار رکھی جائے، ان کی عزت اور بھرم پر کوئی حرف نہ آنے دیا جائے اور کام لے چکنے کے بعد بھی ان کی خدمات کو یاد رکھا جائے۔ مثلاً خفیہ سرکاری دستاویزات کو مورخین و محققین کے لیے عام کرنے میں کم از کم تیس سال کے وقفہ کا ایک مقصد یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ خفیہ طور پر استعمال ہونے والے اپنی زندگی میں رسوا نہ ہونے پائیں۔ جبکہ برطانوی استعمار کے لیے مختلف حوالوں سے استعمال ہونے والے خاندانوں اور گروہوں کے ساتھ اب بھی ان کے سابق آقاؤں کے اچھے مراسم دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں سے صرف ایک گروہ کے سربراہ مرزا غلام احمد قادیانی نے خدا جانے کس ترنگ میں آکر ملکہ وکٹوریہ کے نام ایک عرضداشت میں خود کو ''برطانیہ کا خود کاشتہ پودا'' لکھ دیا تھا اور اسے اپنی کتابوں میں شائع بھی کر دیا تھا، جسے اب تک ان کا گروہ بھگت رہا ہے، ورنہ عام طور پر ایسا نہیں ہوا۔

جبکہ امریکی استعمار کا مزاج اس سے مختلف دکھائی دیتا ہے اور چونکہ ہم اسی کے دور میں گزر بسر کر رہے ہیں اس لیے محسوس بھی زیادہ ہوتا ہے، وہ یہ کہ امریکہ نے اپنے بہت سے آلہ کار افراد اور گروہوں کو خود ننگا کیا ہے، ان سے کام لینے کا راز افشا کیا ہے، اور کام لے چکنے کے بعد انہیں برباد اور رسوا کرنے میں بھی کوئی کسر روا نہیں رکھی۔ فلپائن کے مارکوس، ایران کے رضا شاہ پہلوی، اور ویت نام کے جنرل نکوڈین ڈیم اس کی چند مثالیں ہیں۔ خاص طور پر ایسے آلہ کار جنہوں نے کسی مرحلہ پر امریکی ایجنڈے سے اختلاف کی جرأت کی، یا معاملہ سمجھ آنے پر پیچھے ہٹنے کا عندیہ دیا۔ عراق و افغانستان میں سابقہ اور موجودہ حکمت عملی کا تضاد اس ''امریکی اسٹائل'' کا شاہکار نظر آتا ہے۔ اس کی ایک مثال ہم نے کچھ عرصہ قبل دیکھی کہ جب پاکستان میں مذہبی فرقہ واریت کے ایک پہلو کو امریکی مقاصد کے لیے اجاگر کرنے کی منصوبہ بندی ہوئی،

اس کے لیے کچھ افراد کو سپورٹ کیا گیا، انہیں امریکہ بلا کر بریف کرنے کا اہتمام بھی ہوا، اور اس حوالہ سے اسلام آباد کے امریکی سفارت خانے سے چند ہزار ڈالر کی ادائیگی کی خبر اخبارات میں سامنے آئی، تو امریکی سفارت خانہ اسے خفیہ یا کم از کم گول مول رکھنے کا تکلف نہ کر سکا اور اعلانیہ تصدیق فرمادی۔ جس کا ہمیں تو بہرحال فائدہ ہوا کہ وہ مہم وہیں ختم ہوگئی مگر امریکی استعمار کے مزاج اور طریق کار کے اس پہلو سے خاطر خواہ واقفیت ہوگئی۔

دینی مدارس کو بین الاقوامی ایجنڈے کے تابع کرنے کی مہم ایک عرصہ سے جاری ہے اور ہماری ہر حکومت اس میں بقدر ظرف و حوصلہ کچھ نہ کچھ حصہ ڈالتی آرہی ہے مگر اب اس میں زیادہ سنجیدگی دکھائی دینے لگی ہے جس کے لیے سرگرمیاں جاری ہیں۔ اور نئی حکمت عملی کا ایک حصہ یہ بھی نظر آرہا ہے کہ دینی مدارس کے وفاقوں کی موجودہ اور اصلی قیادتوں کو کنٹرول کرنے یا کم از کم دباؤ میں رکھنے کے لیے متبادل قیادتوں کا ہوا دکھایا جائے اور کچھ نہ کچھ نقل و حرکت بھی مدارس و مساجد کے عنوان سے سامنے لائی جاتی رہے۔ چند سال قبل ''فورتھ شیڈول'' میں کچھ لوگوں کو ڈال کر کہا جاتا رہا کہ فلاں صاحب اگر آپ کی ضمانت دے دیں تو لسٹ سے آپ کا نام نکالا جا سکتا ہے، چنانچہ بہت سے نام اس پراسیس کے تحت نکالے گئے جن کا بڑے فخر کے ساتھ ذکر بھی کیا جاتا ہے۔ جبکہ اس سال عیدالاضحیٰ کے موقع پر کچھ شہروں میں مدارس سے کہا گیا کہ فلاں ''قائد'' کے کہنے پر آپ کو کھالیں جمع کرنے کی اجازت مل سکتی ہے۔

یہاں تک تو خیر نارمل بات ہے کہ ان کاموں میں پیشرفت کا ایک یہ طریقہ بھی ہے، مگر یہ بات ہضم کرنے کے لیے بڑا حوصلہ چاہیے کہ ملکی سطح کے بھرپور نمائندہ اجتماعات میں ایسے حضرات سے یہ کہلوانا بھی ضروری سمجھا گیا کہ وفاقوں کی قیادتوں کی اجارہ داری کو ختم کر دیجئے اور ان کی پروا نہ کیجئے، ہم آپ کے سپاہی ہیں، آپ دینی مدارس کے سرکاری اداروں کے ساتھ الحاق کا حکم نافذ کر دیں، عملدرآمد ہم کرائیں گے۔ میں تب سے ورطۂ حیرت میں ہوں اور اس سے باہر نکلنے کی کوئی راہ نہیں پا رہا جبکہ اس ''امریکی اسٹائل'' کے نظارے پر یہ فارسی مصرعہ بار بار ذہن کی اسکرین پر نمودار ہو رہا ہے کہ:

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

دینی مدارس کیا ایک بار پھر!!

محمد عرفان ندیم

دینی مدارس کے باب میں، کیا ایک بار پھر کوئی چال چلی جارہی ہے، میرا اضطراب یہی ہے کہ یہ چال بہت جلد امر واقعہ کا روپ دھار لے گی۔ اس خطہ برصغیر میں دینی مدارس کا کردار ہمیشہ اہم رہا ہے، 1857 کی جنگ آزادی سے تا امروز، ملی و قومی مسائل میں دینی مدارس اور خانقاہوں نے ہراول دستہ کا کردار ادا کیا ہے۔ 1857 کی جنگ آزادی انہی مدارس و خانقاہوں کے فیض یافتگان کی مساعی کا نتیجہ تھی۔ اس جنگ کے نتائج وثمرات پر کلام ہوسکتا ہے مگر اس کے منصوبہ سازوں اور شرکاء کی نیت واخلاص پر کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ یہ دارالعلوم دیوبند کا ہی فیضان تھا کہ بیسویں صدی کے آغاز میں برصغیر میں ''ریشمی رومال'' جیسی تحریکوں نے جنم لیا، ابوالکلام آزاد جیسی عبقری شخصیات بھی انہی مدارس کی مرہون منت تھیں، وہی ابوالکلام آزاد جس نے سیاست کی بے رخی کے ہاتھوں مجبور ہوکر کہا تھا سیاست کے سینے میں دل نہیں ہوتا۔

پچھلے دنوں مدارس کے طلبا کے اعزاز میں ہونے والی ایک تقریب دیکھ کر ابوالکلام بہت یاد آئے، ہمارے ہاں کچھ عرصے سے پولیٹیکل انجینئرنگ کا کام بحسن وخوبی آگے بڑھ رہا ہے، اس سارے پروجیکٹ کو کون دیکھ رہا ہے اور ہدایات کہاں سے جاری ہورہی ہیں یہ امر اب مخفی نہیں رہا۔ سب ریاستی ستونوں کو ایک ہی چھڑی سے ہنکایا جارہا ہے، احتساب اور کرپشن کے الزامات کے بلڈوزروں اور رولروں سے سب راستے ہموار کئے جاچکے ہیں۔ جن سے مزاحمت کا خدشہ تھا انہیں یکے بعد دیگرے نااہل یا پس دیوار زنداں کیا جاچکا، اب میدان مطلقاً خالی ہے، اپنی مرضی سے جس سمت کو چاہیں اس نظام کو ڈھال لیں، بس دو چار مدھم سی آوازیں ہیں، ان میں سے بھی اگر کسی نے لب کشائی اور چیخنے چلانے کی جرائت کی تو نیب کا شکنجہ کس دیا جائے گا۔ کوئی ہے جو پچھلے ایک سال کی سیاست سے عبرت کی کوئی چھٹانک برآمد کرسکے۔ فاعتبروا یااولی الابصار۔

اس گھٹن زدہ ماحول میں، اس جبر کے خلاف اگر کسی طرف سے کوئی توانا آواز اٹھ رہی ہے تو وہ ایک ہی شخص ہو سکتا ہے، مولانا فضل الرحمان۔ میں ان کی سیاسی پالیسیوں کا کبھی معترف رہا ہوں اور نہ ہی انہیں مثالیت پسندی کا درجہ دے سکتا ہوں، لیکن سچی بات ہے کہ گزشتہ کچھ عرصے سے میں ان کی سیاسی بصیرت کا قائل ہوگیا ہوں۔ وہ ماضی میں ارباب سیاست کو جس خطرے سے خبردار کرتے رہے، یہ اسی غفلت وکوتاہی کا شاخسانہ ہے کہ اب یہ تمام سیاستدان قید وقفس میں پڑے زندگی کے دن گن رہے ہیں۔ آج وہ سوچتے تو ہوں گے اگر مولانا کی تنبیہ پر کان دھر لیتے تو آج پس دیوار زنداں، کسی کونے میں بیٹھ کر از کار رفتہ کسی کتاب کی ورق گردانی نہ کر رہے ہوتے۔

مولانا فضل الرحمان اس معرکے کا آخری مورچہ ہیں اور یہ مورچہ کسی صورت سر ہوتا دکھائی نہیں دے رہا، ایسا نہیں کہ اس مورچے کو فتح کرنے کی کوشش نہیں کی گئی، دھونس اور دھاندلی، مقدمہ سازی اور نیب بازی ہر حربہ آزما لیا گیا مگر یہ دیوار گرنے کا نام نہیں لے رہی۔ مجھے حیرت ہوتی ہے ان دانشوروں پر جو مولانا کو ڈیزل کا طعنہ دیتے ہیں، اگر اس الزام میں ذرہ بھر بھی صداقت ہوتی تو نیب، جو صرف شریفوں کا احتساب کرتا ہے مولانا کب کے اس کے ریڈار میں آچکے ہوتے۔ میرا ماننا یہ ہے کہ اگر مولانا کے دامن پر کرپشن کا ادنی سا بھی داغ ہوتا تو آج وہ اڈیالہ یا کوٹ لکھ پت جیل کی کسی کال کوٹھڑی میں بیٹھے، جمعیت کی قدیم فائلوں کا مطالعہ کر رہے ہوتے، اہلِ اقتدار کو رنجش مگر یہی ہے کہ تمام تر حربوں کے باوجود ایسا نہ ہو سکا۔

مولانا روز اول سے ہی اس سارے کھیل کے باغی چلے آ رہے ہیں، انہوں نے اول دن سے ہی پولیٹیکل انجینئرنگ کو ماننے سے انکار کر دیا تھا، شہباز شریف کی مصلحت پسندی اور بلاول کی سیاسی عدم بلوغت کا نتیجہ ہے کہ مولانا اب تک کوئی بڑا قدم نہیں اٹھا سکے، اب لگتا یہی ہے کہ اس میدان کارزار میں مولانا کو اکیلے ہی کودنا پڑے گا، اس میدان میں نکلنے کے لیے جس سیاسی بصیرت اور حوصلے کی ضرورت ہے دونوں اس سے تہی دست ہیں۔ اب صورتحال یہ ہے کہ موجودہ سیاست کا سارا بار مولانا کے کندھوں پر آن پڑا ہے، وہ اس پولیٹیکل انجینئرنگ کے خلاف مزاحمت کا واحد اور آخری استعارہ ہیں۔ منصوبہ بندوں کی ساری توجہ اب اس نکتے پر مرکوز ہے کہ اس استعارے کو کیسے مٹایا جائے۔ مولانا کی اصل قوت مذہبی طبقہ اور دینی مدارس ہیں اس لیے گزشتہ کچھ عرصے سے نظر التفات اب دینی مدارس کی طرف ہونے لگی ہے۔

اللہ کرے میرا تاثر غلط ہو مگر سیاست کی اپنی حرکیات ہوتی ہیں جو کسی اخلاقی بندھن سے آزاد اور ضمیر کے نگہبان سے بے نیاز ہوتی ہیں۔ اگر تو منظر نامہ وہی ہے جو بادی النظر میں محسوس ہو رہا ہے تو قومی اداروں کا جو تھوڑا بہت وقار بچا تھا اس سیاسی کھیل سے وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ کوئی حسن ظن رکھے بھی تو کہاں تک، جب احوال و قرائن سے کوئی بات واضح ہو جائے اور ماضی کے تجربات بھی سامنے ہوں تو حسن ظن کی گنجائش کہاں بچتی ہے۔ اللہ ابوالکلام آزاد کی روح کو علیین میں جگہ دیں برسوں قبل سیاست کی نفسیات کا تجزیہ فقط ایک جملے میں کر دیا تھا ''سیاست کے سینے میں دل نہیں ہوتا۔''

گزشتہ ایک سال سے یہ قوم جس طرح تقسیم در تقسیم کا شکار ہوئی ہے یہ کوئی نیک شگون نہیں، پہلے یہ انتشار صرف سیاسی جماعتوں اور سیاسی کارکنوں تک محدود تھا اب مذہب اور اہل مذہب بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے ہیں۔ ارباب مدارس کے لیے لازم ہے کہ وہ ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھائیں، ماضی میں ان کے ساتھ جو ہاتھ ہوا اسے گزرے کچھ زیادہ وقت نہیں گزرا۔ وہ خود پر لگائے جانے والے الزامات کو آج تک دھو نہیں پائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی سادگی اور بزرگی ایک بار پھر ان کے ساتھ ہاتھ کر جائے۔ سادگی، بزرگی اور حسن ظن اچھی صفات سہی مگر حالات کا ادراک اور اپنے عصر کے تقاضوں کو سمجھنا اس سے بھی زیادہ اچھی اور کامل و اکمل صفات ہیں۔

اخوت

شاہ بلیغ الدین رحمۃ اللہ علیہ

احمد بن حرب اس تیزی سے اپنے گھر سے نکلے کہ لوگوں نے انہیں روک کر پوچھا حضرت! آپ خیریت سے ہیں؟ اُنھوں نے کہاہاں! لوگوں نے پوچھا گھر میں سب خیریت سے ہیں؟ اُنھوں نے جواب دیا اللہ کا فضل ہے ایک نے کہا آپ اس تیزی سے کہاں چلے؟ وہ بولے ابھی ابھی سنا ہے کہ فلاں صاحب کے پاس چوری ہوئی ہے۔ دو بول تسلی کے اُن سے کہنے جارہا ہوں! کسی نے کہا حضرت! اس میں عجلت کی کیا بات ہے؟ فرمایا پڑوسی تو بھائی ہوتا ہے اور نیکی میں ہمیشہ عجلت کرنی چاہیئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین سیدہ کائنات حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ جبرئیل نے مجھے پڑوسیوں کے حقوق کی اس درجہ تاکید کی کہ میں سمجھا بہت جلد پڑوسی کو وراثت میں حق مل جائے گا۔ اس ارشاد مبارک کا مطلب اس بات کو واضح کرنا ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ سگے بھائی بہنوں کی طرح سلوک روا رکھا جائے۔ صحیح بخاری ہی میں ہے ایک اور موقع پر ارشاد ہوا کہ جو اللہ اور روز جزا پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہیے ہمسائے کی عزت کرے! بزرگوں کا کہنا ہے کہ چالیس گھر آگے پیچھے دائیں بائیں ہمسایوں میں داخل ہیں۔

اسلام نے جو سوسائٹی بنائی ہے اُس میں میل جول اخوت ومحبت کی بڑی اہمیت ہے۔ اسی لیے حکم دیا گیا ہے ایک دوسرے کو کثرت سے سلام کیا کرو! ایک دوسرے کو کھانے پر بلاؤ تحفے تحائف بھیجتے رہو، بیمار کے پاس جاؤ، ممکن ہو تو اس کی دوادارو کا انتظام کرو، خوشی اور غم دونوں میں شریک رہو، موت مٹی میں ہاتھ بٹاؤ...... ایک تو یہ انسانیت اور اخلاق کا تقاضہ ہے دوسرے اللہ اور اللہ کے رسول نے حکماً پڑوسی سے دوستی محبت اور حسن سلوک پر ہمیں پابند کیا ہے۔ چنانچہ سورۃ النساء میں ہے کہ پڑوسی سے نیکی کیا کرو اس کی تشریح بھی کر دی گئی ہے کہ ایک پڑوسی تو وہ ہوگا جو ممکن ہے تمہارا عزیز ورشتہ دار ہو دوسرا پڑوسی کوئی اجنبی ہوگا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا پڑوسی کوئی بھی ہو اُس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ یعنی وہ شخص بھی جو تھوڑی دیر کے لیے کسی سواری میں تمہارے ساتھ ہو جائے یا کسی دوکان پر تمہیں مل جائے، دفتر میں تمہارے پاس بیٹھنے والا ہو یا سفر میں تھوڑی دیر کے لیے ساتھی بن جائے...... اُس سے بھی پڑوسی کی طرح محبت اور لطف وکرم کا برتاؤ کرو۔

تھوڑی دیر کے ساتھ میں بھی مسلمانوں کو ایک دوسرے سے ہمدردی اور غمخواری کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک بار صحابہ کرام جمع تھے اللہ کے رسول نے ارشاد فرمایا کہ واللہ وہ مومن نہ ہوگا اس فقرے کو آپ ﷺ نے تین بار دُہرایا تو صحابہ کرام فکر مند ہو گئے پوچھا کون یارسول اللہ فرمایا جس کا ہمسایہ اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ رہا۔

اسلام کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ ایک دوسرے کو نہ ستاؤ ایک دوسرے کی دل آزادی نہ کرو۔ سوچیے جو دین خوش اخلاقی کے لیے بار بار تاکید کرتا ہے اگر اس کے ماننے والے سیاسی مسلک یا عقائد میں فرق کی وجہ سے ایک دوسرے کو جوتی کی نوک پر رکھ لیں، گالیوں سے نوازیں، دھمکی بھرے خطوط لکھیں یا ٹیلیفون پر اپنے سفلے پن کا مظاہرہ کریں تو اسے کیا کہا جائے؟۔ افسوس یہ ہے کہ سیاہ پوش اور سیاہ قلب منافقوں کے علاوہ یہ کام بعض اوقات بڑے بڑے صاحبان عبا وقبا بھی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ حُجرات میں انھیں ظالم قرار دیا ہے اور ظالم کا مقدر دوزخ ہے۔

سنن ابوداؤد میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک بکری ذبح کی تو پوچھا کہ فلاں ہمسائے کو گوشت بھیجا؟ گھر والوں نے کہا کہ وہ تو یہودی ہے فرمایا پڑوسی بھی تو ہے۔

احمد بن حرب نے اپنے پڑوسی کی ہمدردی کی اور جس طرح اسے تسلی دی اُس کا ایسا اثر اُس کے دل پر ہوا کہ اُس نے انھیں روک لیا اور اُن کے آگے دستر خوان بچھایا۔ احمد بن حرب نے روکا تو ہمسائے نے کہا کہ مجھ پر تین شکر واجب ہوتے ہیں، ایک یہ کہ دوسروں نے میرا مال چرایا، الحمد للہ یہ گناہ میں نے نہیں کیا۔ دوسرے یہ کہ ابھی میرا بہت کچھ مال باقی ہے، تیسرے یہ کہ تھوڑا سا دنیاوی مال گیا لیکن میرا ایمان سلامت ہے، اس میں کوئی چوری نہیں ہوئی۔ کیا میں اس خوشی میں آپ جیسے نیک اور ہمدرد پڑوسی کی تواضع بھی نہ کروں؟ (ماخود: طوبیٰ)

دعاءِ صحت

☆ قائد احرار، ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
☆ حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند گرامی جناب خواجہ رشید احمد صاحب کئی برس سے قومہ کی حالت میں ہیں
☆ لاہور کے بزرگ احرار کارکن چودھری محمد اکرام صاحب
☆ مجلس احرار اسلام گڑھا موڑ کے بزرگ کارکن حافظ لیاقت شدید علیل ہیں
☆ مجلس احرار اسلام ملتان کے قدیم کارکن محمد یعقوب خان خواجکزئی
☆ چیچہ وطنی، پیر جی عبداللطیف رحمہ اللہ کے پوتے، پیر جی عبدالجلیل مدظلہٗ کے فرزند خلیل الرحمٰن علیل ہیں
☆ حضرت مولانا محمد یسین رحمہ اللہ (سابق مہتمم جامعہ قاسم العلوم ملتان) کے فرزند حافظ محمد شعیب شدید علیل ہیں
☆ مجلس احرار اسلام ملتان کے رہنما مولانا اللہ بخش احرار علیل ہیں
☆ جامعہ علوم شرعیہ ساہیوال کے شیخ الحدیث مولانا محمد نذیر (والد گرامی مولانا محمد احمد معاویہ، حکیم حافظ محمد قاسم) علیل ہیں
☆ چیچہ وطنی جماعت کے قدیم رفقاء ڈاکٹر اللہ بخش اور ڈاکٹر محمد فیاض علیل ہیں

احباب وقارئین سے درخواست ہے کہ تمام مریضوں کی صحت یابی کے لیے دعا فرمائیں، اللہ تعالیٰ سب کو شفا کاملہ عطا فرمائے۔ آمین

''آزادی اِنسانی متاع ہے''

مولانا محمد یوسف شیخوپوری

دین اسلام کا ایک ایک حکم عین فطرتی قانون ہے اسلامی تعلیمات انسانی فطرت کی عین مطابق ہیں اور اسلامی تعلیمات کے مطابق انسان اپنی فطرت سے ایک آزاد مخلوق ہے خالق دو جہاں نے اسے آزاد پیدا کیا ہے اور اسکا منشا یہی ہے کہ یہ آزاد رہے۔ ''تمام مخلوقات میں اسے امتیاز بخشا ہے اور سب سے مکرم ومحترم بنایا ہے'' (سورۂ بنی اسرائیل ۷۰) اسی کو ساری کائنات کا مخدوم بنایا ہے چمکتا ہوا سورج دمکتا ہو چاند جگمگاتے ستارے شجر وحجر بحر وبر لیل ونہار الغرض سَخَّرَ لَکُمْ مَافِی السَّمٰوٰاتِ وَمافِی الارْضِ جَمِیعًا (الجاثیہ ۱۳) فرما کر بتا دیا کہ یہ سب کچھ انسان کے لیے مسخر کر دیا ہے تا کہ انسان سب کی غلامی سے آزاد ہو کر خدائے وحدہ لاشریک کی بندگی میں لگ جائے۔ میرے رب کا قانون ہے جب بھی اس انسان کی آزادی میں کوئی چیز رکاوٹ بن جاتی ہے اور انسان انسان کا شکاری بن جاتا ہے اور اپنے ہم جنس انسان کو اپنا غلام سمجھنے لگتا ہے تو خدا کی غیرت جوش میں آتی ہے وہ انکی نجات کے لیے اپنے محبوب بندے کو بھیجتا ہے جب فرعون نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنانا اور ظلم وستم کے پنجے گاڑنے شروع کیے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تا کہ بنی اسرائیل کے گلے سے غلامی کا طوق اتارا جاسکے چنانچہ یہ جلیل القدر کلیم اللہ کے لقب سے مشرف ہونے والے صاحب شریعت پیغمبر جب فرعون سے منصب نبوت سنبھالنے کے بعد پہلی ملاقات کرتے ہیں تو اس ناپاک ونجس جھوٹے مدعی الوہیت سے کفر وشرک سے توبہ کا مطالبہ نہیں بلکہ فرماتے ہیں ''اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْ اِسرائیل (طٰہٰ) بن اسرائیل جنکے پاؤں میں محکومی وغلامی کی زنجیریں تو نے ڈال رکھیں ہیں انہیں آزاد کردے بلکہ دوسری جگہ فرمایا ''اَنْ اَدّوْ اِلیّ عباد اللّٰہ'' یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ یہ صرف اللہ کے بندے ہیں اس کے غلام ہیں یہ تیرے غلام نہیں بن سکتے یہ انداز بتا رہا ہے کہ اسلام میں آزادی کی کس قدر اہمیت ہے۔

خود رحمت دوعالم محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ایسے حالات تھے کہ بازنطینی اور ساسانی سلطنتوں نے عوام کو بُری طرح جکڑ رکھا تھا ان سے بھاری بھاری ٹیکس رشوتیں اور اندرانے وصول کیے جاتے انسانیت کے گلے میں غلامی کے ایسے طوق تھے جس کے بوجھ میں وہ دبی جا رہی تھی اس کی آہ وکراہ سے فلک میں شگاف پڑ رہے تھے انسان تشدد، محکومی کی خوفناک فضاء میں سانس لے رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو انسانوں کی غلامی سے نکل کر خدائے وحدہ لاشریک کی غلامی اختیار کرنے کی دعوت دی ظلم وستم کا جوا اتار پھینکا اور طوق وسلاسل کو توڑ دیا اور دین اسلام

سے متعارف کروایا جو ایک آزاد دین ہے جسکے خمیر میں آزادی پسندی داخل ہے اس نے صدیوں سے جاری غلامی پر قدغن لگائے۔قرآن پاک کی بیسوں آیات میں غلاموں پر خرچ کرنے انہیں آزاد کرنے کی تاکید فرمائی گئی ''وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ...... وَفِی الرِّقَابِ (البقرہ) وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ .فَکُّ رَقَبَۃ حتی کہ بہت سے جرائم مثلاً قتل، قسم اور ظہار وغیرہ کا کفارہ ہی تحریر رقبہ غلام کی آزادی قرار دیا گیا اسلام نے لوگوں میں آزادی کی جو روح پھونکی حدیث وسیرت میں سینکڑوں واقعات ہیں آزاد تو آزاد، غلاموں کو بھی آزادی رائے کا پورا اختیار دے رکھا تھا پھر مرد نہیں عورتیں بھی پوری ہمت سے اپنی آزادنہ رائے میں گفتگو کرتی وگرنہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ کافی ہے۔

مراد نبوت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یادگار دور شاہد عدل ہے آپ نے مکاتبت کو ضروری قرار دیا۔ غلاموں کی محض عیادت نہ کرنے پر کئی عُمّال کو معزول وموقوف کر دیتے حتی کہ فاتح مصر حضرت عمرو بن عاصؓ کے ایک لڑکے نے ایک موقع پر ایک مصری کو ناحق مارا شکایت وصول ہونے پر آپ نے باپ بیٹا دونوں کو اپنے پاس بلا کر مصری نوجوان کے ہاتھ دُرہ تھما کر کہا اس سے بدلہ لے لو اس نے مارا اور کاری زخم آئے آپؓ نے حضرت عمرو بن عاصؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا''مَتٰی اِسْتَعْبَدْتُمُ النّاس وَقَدْ وَلَدَتْھُم اُمَّھا تُھُمْ اَحْرَارًا'' یعنی تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنا رکھا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا ہے؟ (سیرۃ عمر بن خطابؓ لابن الجوزی) مولانا ابوالکلام آزاد فرمایا کرتے تھے ''انسانوں کو انسانی غلامی سے نجات دلانا تو اسلام کا خدائی مشن ہے''۔

چنانچہ تاریخ عالم شاہد ہے اہل اسلام ہر دور میں اپنی اس فطری اور اسلامی تعلیم سے آراستہ سوچ کے تحت وقت کے ہر فرعون کے مقابلہ میں علم حریت لے کر میدان عمل میں اترتے رہے 1600ء میں جب سامراج فرنگی انگریز تجارت کے دھوکے سے ہندوستان میں داخل ہوا اور رفتہ رفتہ سازشوں کا جال بچھا کر ہندوستان پر قابض ہو گیا تو رجال اللہ حریت وآزادی کا علم لیکر میدان عمل میں پوری سرفروشی کے ساتھ اترے۔حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت سید اسماعیل، سید احمد شہید رحمھم اللہ کی قربانیاں تو کہیں سراج الدولہ، سلطان ٹیپو کی شہادت کا خون ہے تھانہ بھون وشاملی کا میدان گواہ ہے تحریک ریشمی رومال کے جانباز سپاہی حضرت شیخ الہند کی جدوجہد امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی کی کاوشیں حضرت مدنی، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ابوالکلام نام لیتے جائیں تو ایک لمبی فہرست بن جائے جنہوں نے خون کے آخری قطرے تک انسان کی غلامی قبول کرنے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ سامراج کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا اور آزادی کی شمع کو اپنے لہو کے تیل سے روشن کیا آج ایک دفعہ پھر تکبر وغرور اور نخوت میں ڈوبا ہوا بدتر وظالم درندہ ہندو گائے کی شرمگاہ چاٹنے والا کشمیری مظلوموں پر تاریخ کا سب سے بدترین ظلم وستم ڈھا رہا ہے اور اپنی محکومی اور غلامی کی زنجیروں میں قید کرنا چاہتا ہے۔لیکن آفرین ہے اُن بے بس اور نڈر کشمیریوں کی کہ وہ آزادی

کے حصول کے لیے ڈٹے ہوئے ہیں۔ اے اہل اسلام اے عالم اسلام اب وقت ہے ایک ہونے کا مظلوموں کے دُکھ بانٹنے کا، فرعون وقت ہندو کی غلامی سے آزادی دلوانے کا، جب مظلوم کشمیریوں پر دست اندازی ہی نہیں بلکہ عزتوں وعصمتوں کو تاگ تاگ کیا جارہا ہے شعائر اسلام کی پامالی کی جارہی ہے، بدترین ظلم کو رواج دیا جارہا ہے، معصوم بچوں کے گلے اور زبانیں کاٹی جارہی ہیں، ایک ایک عضو کو الگ الگ کاٹ دیا جارہا ہے، مکانوں اور زندہ انسانوں کو نذر آتش کیا جارہا ہے، خوردونوش سے محروم کردیا گیا ہے، آؤ تمہیں قرآنی آیات للکار رہی ہیں احادیث نبویہ جھنجھوڑ رہی ہیں اسلاف کی مثالیں غیرت دلا رہی ہیں آؤ دیکھو مثل جنت وادی آگ کے انگاروں میں تبدیل ہو کر تمہیں فریاد دے رہی ہے کہ قلم وکتاب چھوڑ کر گدی سے منہ موڑ کر کفن بردوش ہو کر ہماری حفاظت کرو اپنے اختلافات مٹا کر متحد ہو کر دنیا کی سب سے زیادہ انتہا پسند قوم سے ہمیں نجات دلوایئے۔ (۱) ہم مظلوم ہیں اس حیثیت سے بھی (۲) ہم پاکستان کا حصہ ہیں اس حیثیت سے بھی (۳) ہم تمہارے پڑوسی ہیں اس حیثیت سے بھی اور اس سب سے بڑھ کر (۴) ہم تمہارے مسلمان بھائی ہیں اس حیثیت سے بھی کئی طرح سے کئی اعتبارات سے ہم تمہیں پکار پکار کر بلا رہے ہیں۔ آہ! ہماری آنکھیں تمہاری آمد کی منتظر ہیں کیا اب کوئی مسلمانوں میں محمد بن قاسم پیدا نہیں ہوگا؟ کیا اب کوئی صلاح الدین ایوبی نہیں بنے گا؟ کیا اب کوئی سلطان ٹیپو نہیں اٹھے گا؟ اُٹھو اُٹھو میدان حشر کی شرمندگی سے بچو ورنہ کوئی بعید نہیں یہ حالات تم پر بھی آسکتے ہیں گائے کا پیشاب پینے والوں کو خدائے وحدہ لاشریک کی عظمت وقوت اور نصرت پر بھروسہ کر کے میدان میں اُتر کر بتلا دو مسلمانوں کی رگوں میں ابھی حیات ہے، ابھی غیرت ہے، ابھی ہمت ہے، ابھی جانثاری وہمدردی باقی ہے جب تک ہم زندہ ہیں تب تک خدا کے علاوہ کس کی غلامی قبول نہیں کرسکتے!

قرآن کریم اور صاحب ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم

حافظ محمد سفیان (ناگڑیاں)

قرآن کریم اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے اس کتاب میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں، یہ حق اور سچ کتاب ہے۔ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرما کر ہم پر احسان فرمایا کہ ہمیں زندگی گزارنے کا طریقہ سکھایا۔ قرآن زندگی گزارنے کے لیے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، ہمیں ماں باپ بہن بھائی بیٹا بیٹی کا فرق قرآن نے بتلایا ہے، ہمسایوں رشتہ داروں...... حتیٰ کہ جانوروں تک کے حقوق قرآن نے بتائے ہیں۔ آج ہمیں پھر قرآن کو مضبوطی سے پکڑنے کی ضرورت ہے ہمیں لارڈ میکالے کے نصاب کو چھوڑ کر اپنی اولادوں کو قرآن کی تعلیم سے آراستہ کرنا ہوگا۔

قرآن کو نازل کرنے والا کائنات کا رب ہے، قرآن کو آسمان سے لے کر آنے والے حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں اور قرآن کو وصول کرنے والے خود مقصودِ کائنات حضرت خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آنحضرت علیہ الصلاۃ والسلام کے وصال مبارک کو چودہ سو برس گزر گئے مگر جس طرح اللہ نے قرآن کو نازل کیا آج تک اسی طرح محفوظ ہے اس میں کسی زیر زبر کی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ جن بدبختوں نے قرآن کریم کو مٹانا چاہا آج وہ خود مٹ گئے اور دنیا وآخرت میں عبرت کا نشان بن گئے۔ جبکہ قرآن کریم پوری شان وشوکت کے ساتھ پھیل رہا ہے اور اس کا فیض قیامت تک جاری رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے خود محافظ ہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن کریم ہے۔ قرآن ہی ہماری نجات وشفاعت کا ضامن ہے، مسلمانوں کی تباہی وبربادی قرآن وسنت سے دوری ہے۔ جب تک ہماری زندگی قرآن وسنت کے مطابق نہیں ہوگی اور ہمارے تمام فیصلے قرآن کے مطابق نہیں ہوں گے اس وقت تک ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ آج بھی مسلمان اور ملک پاکستان کے موجودہ حکمران قرآن کے مطابق فیصلے کرنے شروع کر دیں حضور خاتم النبیین ﷺ کی سنت پر انہی کے طرز عمل کو اپنانا شروع کر دیں تو دنیا میں انقلاب آسکتا ہے۔ آج ہم مسلمان کتنے بدنصیب ہیں کہ قرآن جیسا خزانہ گھر میں موجود ہے مگر ہم دوسروں کے محتاج ہوئے بیٹھے ہیں۔ ہمارے پاس روشنیوں کا منبع ہے اور ہم امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس، اور چین سے کرنوں کی بھیک مانگ رہے ہیں۔ مغربی جمہوریت کے سامنے تم قرآن کا دامن تھام لو، سارا یورپ تمہارے قدموں میں آ کر گرے گا۔ اس وقت پاکستان کا نظام نیا پاکستان ہے اور یہ کسی جدید نئے طرز وطریقے کی تلاش میں ہے۔

اہل ایمان کو جاننا چاہیے کہ آج انگریز کے نظام کے سامنے قرآنی نظام کو پیش کرنے کی ضرورت ہے، ستر برس پہلے اس ملک کو کلمہ کے نام پر حاصل کیا گیا اس وقت سے آج تک نعرہ یہی لگ رہا ہے کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ۔ ستر برس گزر گئے ایک فیصد قانون سازی بھی اس ملک میں کلمہ کے مطابق نہیں ہوئی۔ اور اب تو حال یہ ہے کہ جو بھی حق بات کرتا ہے تو اس کو راستے سے ہٹا دیا جاتا ہے نام کلمہ کا لیتے ہو نام ریاست مدینہ کا لیتے ہو اور کام یہود نصاریٰ والے کر رہے ہو، نام ریاست مدینہ کا لیتے ہو اور حضور خاتم النبیین ﷺ کی ختم نبوت پر ڈاکا ڈالتے ہو، جس ملک میں نام کلمہ کا لیتے ہو اسی ملک میں توہین صحابہ کرنے والوں پر تمہاری زبانیں گونگی ہو جاتی ہیں۔ حکمرانوں کے دعوے دیکھیں تو آج کا نیا پاکستان مدینہ کی ریاست ہے ریاست مدینہ میں تو مدرسے بنائے جاتے تھے حضور اقدس علیہ الصلاۃ والسلام نے تو خود مدرسہ قائم کیا

اور آج اس ریاست میں مدرسوں پر پابندیاں لگائی جا رہی ہے۔ آج دین کا کام کرنے والوں کو ہر طرح سے تنگ کیا جا رہا ہے دن بہ دن مدارس کو ختم کرنے کی سازشیں کی جا رہی ہے۔ کچھ تو سوچو! کہ کتنے مدارس بند کرو گے جن سینوں میں یہ خدا کا کلام نقش ہو گیا ہے ان کے سینوں سے اس قرآن کو کیسے نکالو گے؟ کیا خدا کی اتنی خلقت کے سینوں کو چیرو گے؟ غور کرو تمہاری یہ آرزو کبھی بھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتی۔ جب تک دنیا قائم ہے ان مدارس سے قال اللہ و قال الرسول علیہ الصلاۃ والسلام کی صدائیں بلند ہوتی رہیں گی۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ ان شاء اللہ۔

موجودہ اہل اقتدار کو چاہیے کہ سابقہ حکومتی ادوار کے کرداروں کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔ جب تک ایک مسلمان بھی زندہ ہے وہ قرآن کریم، منصب و عقیدۂ ختم نبوت، صحابہ کرامؓ واہلبیتؓ، مدارس اور ملک کی نظریاتی سرحدوں کا دفاع کرتا رہے گا۔ موجودہ حکومت نے پاکستان کے معاشی نظام کو تباہ کر دیا ہے، مہنگائی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ غریب سے دو وقت کی روٹی کھانا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ اپنے کرنے کے کاموں کی طرف متوجہ ہوں اور علمی و نظریاتی بحثوں میں اپنی جہالت افروزی سے دخل اندازی کرنے سے باز رہیں۔ حکمران اللہ کے عذاب سے ڈریں اور غریب عوام کا خیال کریں۔ ہماری نئی نسل اپنی تہذیبی و تاریخی شناخت سے بے گانہ ہو کر اپنے عقائد و اعمال سے جاہل رہ کر اجتماعی نفسیاتی خودکشی کی طرف بڑھ رہی ہے وجہ یہی ہے کہ وہ قرآن کریم سے، حدیث سے، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، اہل اللہ کی صحبت سے اور دین کی باتوں سے غافل ہے۔ اگر ہم صفحۂ عالم پر اپنی بقا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی زندگیوں میں ان تمام چیزوں کو جاری و ساری کرنا ہوگا۔ آج جگہ جگہ پر مدارس قائم ہیں لیکن ہم اپنے نوجوانوں کو سکول و کالجز کی طرف بھیج رہے ہیں، ہر جگہ پر مسجد قائم ہے لیکن ویران ہے۔ کسی کو دنیا طلبی سے فرصت ملے تو وہ نماز پڑھے، کوئی خواہشات کی پوجا سے فراغت پائے تو قرآن کی تلاوت کرے۔ موبائل، انٹرنیٹ، سے خالی وقت ملے تو حضور ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کریں۔

آج ہمیں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی آئندہ نسلوں پر خاص توجہ کریں۔ ان کو حضور ﷺ کی ختم نبوت کے عظیم منصب سے روشناس کرائیں اور انہیں اسوہ صحابہؓ سے آگاہ کیا جائے۔ نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے شہر یا علاقے کے قریبی علمائے کرام سے رابطہ مضبوط کریں۔ ان کے پاس بیٹھنے کے لیے اپنے نظام الاوقات میں خاص وقت متعین کریں۔ ان سے ختم نبوت کی اہمیت دین کی تعلیمات اور قرآن کے حکم کے مطابق ہر ہر بات ان سے سیکھ کر اس پر عمل کریں۔

آج ہر شہر ہر علاقے میں ختم نبوت کانفرنسیں منعقد ہو رہی ہے اور ان کا مقصد صرف اور صرف روز محشر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا حصول ہے۔ جو لوگ گمراہی کے راستے پر چل نکلے اور امت سے کٹ گئے ان کو امت بنانے کی محنت کرنا، ان کو اسلام کی دعوت دینا اور ان کے ایمان کو بچانے کی فکر کرنا ہے کہ ان کو جہنم سے بچا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم ختم نبوت تلے اکٹھا کیا جائے اور نوجوانوں میں ختم نبوت کا جذبہ پیدا کیا جائے ان کو مرزا قادیانی کے جھوٹے دعوے اور اس کے دجل وفریب سے آگاہ کیا جائے۔ اسی سلسلے میں امسال بھی حسب سابق مجلس احرار اسلام کے زیر اہتمام 11-12 ربیع الاول کو چناب نگر (سابق ربوہ) میں ایک عظیم الشان 41 ویں سالانہ ختم نبوت کانفرنس اور دعوت اسلام ریلی کا انعقاد کیا جائے گا جس میں قادیانیوں کو اسلام کی دعوت دی جائے گی۔ احباب اس کانفرنس کی تیاری شروع فرمائیں، اور اپنے اپنے شہروں میں اس میں شرکت اور ختم نبوت فنڈ کی محنت جاری فرمائیں۔ اللہ پاک حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے صدقے اس ملک میں قرآن کا نظام نافذ فرمائے، اور ہمیں قرآن وسنت کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطاء فرمائے، اللہ اس ملک میں اچھے حاکم عطاء فرمائے اور اس ملک کی حفاظت فرمائے، اللہ تعالیٰ اس کانفرنس کو کامیابی سے ہمکنار فرمائیں۔ آمین

نعت

امجد اسلام امجدؔ

اُداسی کے سفر میں جب ہوا رُک رُک کے چلتی ہے
سوادِ ہجر میں ہر آرزو چپ چاپ جلتی ہے
کسی نادیدہ غم کا کہر میں لپٹا ہوا سایا
زمیں تا آسماں پھیلا ہوا محسوس ہوتا ہے
گزرتا وقت بھی ٹھہرا ہوا محسوس ہوتا ہے

تو ایسے میں تری خوشبو
محمدؐ مصطفیٰ ، صلِّ علیٰ کے نام کی خوشبو
دلِ وحشت زدہ کے ہاتھ پر یوں ہاتھ رکھتی ہے
تھکن کا کوہِ غم ہٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے
سفر کا راستہ کٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے

منقبت امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

ابن امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری

صدیق خلافت دا جاں بار اٹھایا ہے
علی سجدہ شکر کیتا اُمت اُتے سایا ہے

سب آلِ نبی آئی با حشم و خدم آئی
وچ آکے سقیفہ دے خود تاج پوایا ہے

صدیق خلافت کوں کہیں توں نئیں کھسیا
محبوبِ خدا نے خود صدیق بلھایا ہے

منبر تے مصلیٰ کوں صدیق سجایا ہے
خلافت تے امامت کوں صدیق نبھایا ہے

منکر جو نبوت دا ہے یمامہ یا یمن وچ اوہ
کہیں کوں نئیں چھوڑا ہر موذی مکایا ہے

ہر باغی گروہ کوں، تیں! اے خلیفہ رسول اللہ
بھن بھن کے سِدھا کیتا، لاہ چھوڑے ٹھہایا ہے

رب جانڑیں بیوساں نے کیوں شور مچایا ہے
ایہہ مردہ فدک والا کیوں مونڈھیاں چایا ہے

ایہہ باغِ فدک جے کر بوبکر نہیں ڈتا
مولائے علی نے وی ایہہ قصہ مکایا ہے

صدیق عمر ہووے عثمان و علی ہووے
رحماء دے ایہہ ٹکڑے ہِن ہک بۓ توں سوایا ہے

صحابہ رضی اللہ عنہم کی بزرگی

سید محمد عبدالرب صوفی مرحوم

صحابہ ہیں رسولِ پاک کی صحبت کی تاثیریں
یُعَلِّمُھُمْ کی تشریحیں، یُزَکِّیْھِمْ کی تفسیریں

کلام اللہ کے مثل اعتبار ان کا مسلّم ہے
وہ عادل ہیں تو ناطق ہیں کلامِ حق کی تحریریں

کِرَام ان کو کہا اللہ نے، بَرَرَہ کہا اُن کو
ملائک کو بھی ان ان القاب کی شامل ہیں تفسیریں

نبی کو بھا گئی خود اپنی جس کھیتی کی شادابی
اسی قرآن میں محفوظ ہیں سب اس کی تعبیریں

نبی نورِ خدا ہیں گو نہیں اس نور کا ٹکڑا
صحابہ ہیں نبی کے نور کی پُرنور تنویریں

جلال ان کا جمالِ پاک حق بن کر اٹھا
محمد کی غلامی سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

خود ان کی آنکھ ٹیڑھی ہے جسے ٹیڑھی نظر آئیں
رسولِ پاک کے دستِ مبارک کی یہ تعمیریں

صحابہ نے نبی پر اس طرح جانیں فدا کی ہیں
کہ مٹ سکتیں نہیں اب مَنْ قَضٰی نَحْبَہٗ کی تحریریں

لیے پھرتے تھے یوں حق کے لیے جانیں ہتھیلی پر
کھنچی ہیں صفحۂ مَن یَنتَظِر پر اب تصویریں

زمینِ قدس میں خونِ شہادت یوں سمویا ہے
صحابہ کا لہو ٹپکے اگر ذروں کا دل چیریں

وہی ہے دینِ حق، ہم اور صحابہ جس پہ قائم ہیں
یہ ہوتی تھیں رسولِ پاک کی پُر کیف تقریریں

فلاحِ دوجہاں ہے پیرویٔ قومِ صحابہ کی
عبث ہے کیجیے اِس کے سوا گو لاکھ تدبیریں

صحابہ پر اگر شک ہے تو اپنے ہاتھ میں صوفؔی
نمازیں ہیں، دعائیں ہیں، اذانیں ہیں، نہ تکبیریں

کشمیر

پروفیسر اکرام تائب

اس زمیں پر جو جنت کی تصویر ہے
برملا وہ یہ خطّۂ کشمیر ہے
اس پہ حق اپنا کافر جتاتے ہیں کیوں
ہم مسلماں ہیں اپنی یہ جاگیر ہے
ماؤنٹ بیٹن، کلف اور نہرو کا یہ
سب کو معلوم ہے، سازشی تیر ہے
بہہ رہا ہے زمیں پر جو ان کا لہو
ظلمت شب میں حق کی یہ تنویر ہے
جبر سے حل نہ ہوں گے مسائل کبھی
لوح قلب و نظر پر یہ تحریر ہے
ہو کے آزاد اِک دن رہے گا وطن
مٹ کے رہنا ہی باطل کی تقدیر ہے
بھیک مانگیں کہاں جا کے انصاف کی
محتسب قاتلوں سے بغل گیر ہے!
سن لیا سب نے جب دل کی آواز کو
فیصلہ کیوں سنانے میں تاخیر ہے
کچھ تو بولو ذرا عالمی منصفو!
آگ میں جل رہا کب سے کشمیر ہے
ہاتھ سے جانے دیں گے نہ اس کو کبھی
فیصلہ آخری اپنا تحریر ہے!
یہ تو شہہ رگ ہے تائبؔ مرے دیس کی
منسلک اس سے سانسوں کی زنجیر ہے

کشمیر جل رہا ہے

حبیب الرحمٰن بٹالوی

ہوس کی اس جنگ پہ لعنت خدا کی ہے
مُودی کے انگ انگ پہ لعنت خدا کی ہے

کشمیر بے نظیر کو مقتل بنادیا
''ہولی'' کے اس رنگ پہ لعنت خدا کی ہے

ہندوؤں کے ساتھ ہے اور مسلموں سے بیر
دانش فرنگ پہ لعنت خدا کی ہے

کشمیریو ں کے خون سے دھرتی جو لال ہے
کرفیو کا دور ہے جینا محال ہے

بیمار ہیں، لاچار ہیں، گھروں میں بند ہیں
''یو این او کے دیوتا!'' یہ غرض مند ہیں

مائیں، بہنیں، بیٹیاں، روتے یتیم بال
ہے کوئی ابن قاسم؟ جو پوچھے اُن کا حال

کشمیریوں کے پاؤں سے کانٹا نکال دے
ربّ ذوالجلال! مصیبت کو ٹال دے

☆......☆......☆

پٹنہ میں مُسلمانوں کا قتل عام......(سید مخدوم شاہ بنوری کی یادداشتیں)

ایم طفیل

''سید مخدوم شاہ بنوری مرحوم کا تعلق کوہاٹ سے تھا وہ مجلس احرار اسلام کے رہنما تھے۔ قیام پاکستان سے قبل اُن کا خاندان مجلس احرار اسلام سے وابستہ ہوا۔ سید مخدوم شاہ بنوری مرحوم ایک طویل عرصہ مجلس احرار اسلام کے مرکزی دفتر بیرون دہلی دروازہ لاہور میں مقیم رہے اور مجلس کے لیے اپنے آپ کو وقف کیے رکھا۔ کوہاٹ میں انتقال ہوا اور اپنے آبائی قبرستان میں آسودۂ خاک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور خدمات قبول فرمائے۔ ذیل میں ان کی یادداشتیں قارئین کی نذر کی جارہی ہیں جو روزنامہ ''کوہاستان'' لاہور میں شائع ہوئیں۔ ''کوہستان'' کا خصوصی ایڈیشن عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی رہنما مولانا اللہ وسایا مدظلہٗ کی عنایت ہے۔ مولانا اکثر ایسی عنایات کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزاء خیر عطاء فرمائے۔ آمین'' (ادارہ)

۱۹۴۶ء میں صوبہ بہار میں ہندوؤں کی فرقہ پرست اور شر پسند جماعت جن سنگھ نے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر رکھا تھا۔ بہار کے سرزمین مسلمانوں کے خون سے لالہ زار بنی ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی بستیوں کو نذر آتش کیا جارہا تھا۔ مسلمانوں کا زیادہ تر قتل عام دیہاتی علاقوں میں ہوا۔ شہری آبادی کسی حد تک محفوظ تھی لیکن دیہاتوں میں قتل وغارت لوٹ مار اور ہندوؤں کی غنڈہ گردی نے جو طوفان اٹھایا اسے خاکسار تحریک کے بانی اور قائد علامہ عنایت اللہ المشرقی مرحوم نے بہار کی قیامت صغری کے نام سے موسوم کیا۔ کم وبیش ساٹھ ہزار مسلمانوں کو تہ تیغ کیا گیا۔

عسکری تنظیم:

مسلمانوں میں صرف خاکسار تحریک ایک ایسی جماعت تھی جسے عسکری خطوط پر منظم کیا گیا تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کے اس قتل عام اور جن سنگھ کی سرگرمیوں سے متاثر ہو کر علامہ مشرقی نے اعلان کیا کہ پٹنہ میں ۱۰ مئی ۱۹۴۶ء کو یوم بہادر شاہ ظفر منایا جائے گا اور خاکسار فوجی پریڈ کا مظاہرہ کریں گے۔ ادھر حکومت نے امن بحال کرنے اور جن سنگھ کی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے دفعہ ۱۴۴ نافذ کر رکھی تھی، بعض سیاسی راہنماؤں نے علامہ المشرقی کو مشورہ دیا کہ اس موقع پر خاکساروں کا اجتماع قانون شکنی کے مترادف ہے نیز اس سے جن سنگھ کو دوبارہ اپنی سرگرمیوں شروع کرنے کا بہانہ مل جائے گا لیکن علامہ مرحوم جن کا واحد مقصد انگریزی اور ہندو استبداد سے ٹکر لینا تھا ان وقتی مصلحتوں کو خاطر میں نہ لائے اور خاکسار جوق در جوق پٹنہ میں جمع ہونا شروع ہوگئے آخر حکومت نے دفع ۱۴۴ ختم کر دی۔ علامہ مرحوم نے برصغیر پاک وہند کے کونے کونے سے آئے ہوئے خاکساروں کی معیت میں پریڈ کا مظاہرہ کیا اور یوم بہادر شاہ ظفر پورے احترام سے منایا۔ درحقیقت علامہ یہ چاہتے تھے کہ اس علاقے میں ہندوؤں پر مسلمانوں کا رعب بٹھایا جائے تا کہ وہ مسلمانوں کے قتل عام سے باز رہیں اس

مقصد کے لیے وہ صوبہ بہار میں اپنی سرگرمیوں کا ایک مستقل سلسلہ قائم رکھنا چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے اعلان کیا کہ ۱۰ رجون کو دوبارہ اسی جگہ یوم بہادر شاہ ظفر منانے کا اہتمام کیا جائے گا۔ لوگ اس بات پر حیران تھے کہ آخر اس کا مقصد کیا ہے؟ یوم بہادر شاہ ظفر مناسب تاریخ پر منایا جا چکا ہے۔ دوبارہ اسی جگہ اس تقریب کا اہتمام علت سے خالی نہیں تھا۔ لیکن اس مرتبہ حکومت کی طرف سے کوئی مداخلت نہیں ہوئی۔ انھی دنوں کرپس مشن دہلی آیا ہوا تھا۔ اور وہ مسلم لیگی اور کانگریس رہنماؤں سے گفت وشنید میں مصروف تھا تا کہ جلد سے جلد ہندوستان کے مستقبل کا فیصلہ کر دیا جائے، دونوں جماعتوں یعنی کانگریس اور مسلم لیگ کے سیاسی رہنما دہلی میں موجود تھے۔ علامہ مرحوم خود بھی ان سیاسی سرگرمیوں میں شریک رہنا ضروری سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے پٹنہ کی اس تقریب کا انتظام وانصرام عبدالمجید افغانی مرحوم کے سپرد کیا اور خود دہلی تشریف لے گئے۔ انہی دنوں پٹنہ میں لٹے پٹے مسلمانوں کی آبادکاری کے لئے احراری کارکنوں کے کیمپ نصب تھے۔ سید مخدوم شاہ بنوری جو تحریک احرار کے ممتاز راہنماؤں میں سے تھے ان کیمپوں کے انچارج تھے میری اس تحریر کا بیش تر مواد سید مخدوم شاہ بنوری کی یادداشتوں پر مشتمل ہے۔

۱۰ رجون کا دن:

۱۰ رجون کا دن آن پہنچا خاکسار اپنے کیمپ میں نزد برلا مندر جمع ہوئے اور ۵ بجے شام کے قریب اپنے کیمپ سے گاندھی پارک کی طرف روانہ ہوئے۔ جہاں فوجی پریڈ کے مظاہرے کا پروگرام تھا۔ حکومت کے علم میں یہ بات آ چکی تھی کہ علامہ مرحوم اس علاقے کو اپنی مستقل سرگرمیوں کا مرکز بنانے پر تلے ہوئے ہیں، چنانچہ فوج اور پولیس کی ایک بڑی جمعیت ڈپٹی کمشنر پٹنہ، ڈی۔ ایس۔ پی اور دیگر سرکاری افسران کی معیت میں خاکساروں کو روکنے کے لئے راستے میں کھڑی تھی لیکن ان مٹھی بھر جانبازوں کے سامنے اپنے قائد کا حکم تھا جسے صرف موت ہی ٹال سکتی تھی، پولیس اور فوج نے گھیرا ڈالا، مزاحمت کی لیکن ان مردانِ حر کے قدم اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھے تحریک خاکسار کے قائد نے ان مجاہدوں کی تربیت اس نہج پر کی تھی کہ وہ مردانہ وار موت سے آنکھیں ملانا جانتے تھے، جب پولیس کی مزاحمت اور فوج کا تشدد اپنی انتہا کو پہنچا اور خاکساروں کے لیے آگے بڑھنے کے تمام راستے مسدود کر دیے گئے تو خاکسار جیش کے علمبردار عبدالمجید افغانی مرحوم کی زبان سے ''بزن'' کے الفاظ فضا میں گونجے۔

حق وباطل کا معرکہ:

ادھر جیش کے سالار کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ادھر خاکسار مجاہدوں کے بیلچے تن گئے۔ حق وباطل کا معرکہ گرم ہوا۔ پولیس اور فوج نے گولیوں کی بوچھاڑ شروع کر دی چشم فلک نے حق وباطل سے متعلق ایسے کئی تعجب خیز واقعات دیکھے ہیں جن میں مٹھی بھر جانباز باطل کی بڑی بڑی قوتوں سے ٹکرا گئے، اور فتح وشکست سے بے نیاز ہو کر صرف ایک تصور ان کے پیش نظر رہا کہ اس دنیا میں کامیابی یا ناکامی کو فتح وشکست کے پیمانوں سے نہیں ناپا جا سکتا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جس مقصد کی

خاطر وہ باطل کی قوتوں سے ٹکرائے وہ مقصد زندہ و پائندہ رہا یانہیں پولیس اور فوج کی بھاری جمعیت گولیوں کی بوچھاڑ کر رہی تھی اور خاکسار اپنے بیلچوں سے مخالفین پر وار کررہے تھے۔ عجیب افراتفری کا عالم تھا بازار بند ہوگئے تھے اور سارا شہر موت کے سناٹے میں لپٹا ہوا تھا۔ صرف برلا مندر اور گاندھی پارک کو ملانے والی سڑک پر ان مٹھی بھر مجاہدوں نے زندگی کے آثار پیدا کررکھے تھے۔ تقریباً پون گھنٹے کے اس تصادم کے بعد جب فضا صاف ہوئی تو معلوم ہوا کہ سولہ خاکسار مجاہد بری طرح زخمی ہوئے ہیں۔ اس افراتفری میں باون کے قریب خاکسار پناہ کی تلاش میں احرار کیمپ میں پہنچ گئے۔ اور ۳۲ خاکساروں کا جیش اپنے کیمپ واقع برلا مند کی طرف لوٹ گیا۔ پولیس اور فوج کے جو سپاہی خاکساروں کے بیلچوں سے مجروح ہوئے انہیں فوجی گاڑیوں میں ڈال کر فوراً فوجی ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ آخر دم تک ان کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہوسکی۔

سنسان محلے:

سید مخدوم شاہ بنوری اور امریکی ریڈ کراس سوسائٹی کے دفتر کے قائد مسٹر راجر، احراری رضا کاروں کی معیت میں پٹنہ کے نواحی علاقہ باڑھ سے مسلمانوں کی آبادکاری کے سلسلے میں جب شام کے قریب واپس آئے۔ تو شہر کے محلے سنسان تھے۔ تمام بازار بند تھے ہر طرف ہُو کا عالم تھا۔ مخدوم شاہ نے بتایا کہ ہمیں کیمپ میں پہنچ کر سارے معاملات کا علم ہوا اور حقیقت حال کا پتہ چلا باون خاکسار جو ہمارے کیمپ میں موجود تھے۔ انہوں نے دہلی پہنچنے کا ارادہ ظاہر کیا تاکہ تحریک کے قائد کو صحیح صورت حال سے آگاہ کیا جاسکے۔ چنانچہ فوج اور پولیس کی نظروں سے بچا کر انہیں بسوں کے ذریعے دہلی پہنچانے کا انتظام کیا گیا۔ اس دوران فوج اور پولیس نے احرار کیمپ کو محصور کرلیا اور اصرار کیا کہ خاکساروں کو پولیس کے حوالے کیا جائے لیکن وہ اپنے مقصد میں بے نیل و مرام لوٹ گئے۔ مخدوم شاہ صاحب نے بتایا کہ سیاسی اختلافات کے باوجود ہم نے جان ہتھیلی پر رکھ کر ہسپتال پہنچنے کا ارادہ کیا تاکہ ان زخمی خاکساروں کی تیمارداری کی جاسکے۔ اس مقصد کی خاطر امریکن ریڈ کراس سوسائٹی کے قائد مسٹر راجر کو ساتھ لیا اور اسی کی گاڑی میں ہم ہسپتال پہنچے۔

ہسپتال میں عجیب افراتفری کا عالم تھا۔ ہندو ڈاکٹر مسلمان زخمیوں کو تڑپتا دیکھ کر منہ پھیر لیتے۔ ہم نے مس مردولا سارابائی (جنرل سیکرٹری آل انڈیا نیشنل کانگریس، رکن سینٹرل ورکنگ کمیٹی) کو بذریعہ تار صورت حال سے آگاہ کیا۔ وہ خود پٹنہ پہنچیں اور ہندو ڈاکٹر کو انسانیت کا واسطہ دے کر کہا کہ وہ مسلمان زخمیوں کی تیمارداری کریں ڈاکٹروں نے ان کے روبرو اقرار کیا، لیکن ان کے جانے کے بعد وہی بے گانگی، وہی بے نیازی اور وہی اسلام دُشمنی ان کا وطیرہ تھی۔ صورت حال انتہائی مایوس کُن تھی۔ مسٹر راجر نے پٹنہ کے پرائیوٹ عیسائی ڈاکٹر کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ہسپتال میں مسلمان مریضوں کا علاج کریں۔ چنانچہ بازار سے ادویات خریدی گئیں۔ عیسائی ڈاکٹروں نے رضا کارانہ طور پر مسلمان مریضوں کا علاج کیا۔ بعض زخمیوں کیلئے خون کی ضرورت پیش آئی۔ ہندو ڈاکٹروں نے خون مہیا کرنے سے انکار کردیا۔ ان سسکتی ہوئی زندگیوں کو بچانے کیلئے سید مخدوم شاہ بنوری پہلے انسان تھے جنہوں نے زخمی خاکساروں کیلئے اپنا خون پیش کیا اور یکے بعد

دیگر تمام احراری کارکن اسلامی جذبہ اخوت سے سرشار آگے بڑھے اور اس طرح چند لمحوں میں ان غریب الوطن مجاہدوں کے لیے وافر مقدار میں خون فراہم کر دیا گیا۔ ان میں جیش کے علم بردار عبدالمجید افغانی مرحوم کوئی دم کے مہمان تھے۔ اس مجاہد کو گولیوں کے علاوہ سنگینوں کے بائیس زخم آئے تھے۔ ان کی زندگی بچانے کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ وہ چراغِ آخرِ شب تھے جو کوئی دم میں بجھنا چاہتا تھا۔ ان کا سر سید مخدوم شاہ بنوری کی گود میں تھا۔ باقی احراری کارکن عیسائی ڈاکٹروں کی مدد سے زخمی خاکساروں کی تیمارداری میں مصروف تھے۔ شاہ صاحب نے بتایا کہ رات کے بارہ بجے تو عبد المجید افغانی نے ذرا سنبھالا لیا۔ مجھے کچھ اطمینان ہوا لیکن افسوس کہ یہ افاقہ، افاقۂ مرگ تھا۔ اُس نے آنکھیں کھولیں، غریب الوطنی کی موت پر اس کی معصوم آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ اپنے وطن سے دور، بہت دُور اپنے قائد کا حکم بجالاتے ہوئے اس کا سینہ دشمن کی گولیوں سے چھلنی ہو چکا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں تشکر آمیز جذبات کی ایک ایسی مقدس جھلک تھی جس نے میرے جذبات کو بھی بے قابو کر دیا۔ وہ صرف اتنا کہہ سکا کہ '' آپ کوہاٹ کے رہنے والے ہیں۔ یہاں سے فرصت ملے تو میرے متعلق میرے گھر والوں کو اطلاع دے دیجیے''۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہ کہہ پائے۔ کلمہ شہادت پڑھا، آخری ہچکی لی اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

سید مخدوم شاہ کہہ رہے تھے کہ میں ان کی یاد کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا اثاثہ تصور کرتا ہوں۔ غریب الوطن میں ایک مردِ حُر جس نے باطل کی قوتوں سے ٹکر لی۔ اس نے میری گود میں دم توڑا اور میں نے شہادت کی موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ بلاشبہ یہ چیز کسی بھی مسلمان کے لیے باعث صد افتخار ہو سکتی ہے۔

باقی چند زخمیوں کی حالت بھی انتہائی مخدوش تھی۔ تھوڑے سے وقفے کے بعد ایک دوسرا مجاہد واصلِ حق ہوا اور صبح جب قریبی مسجد سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی تو چوتھے مجاہد کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ ابھی یہاں سے فراغت نصیب نہیں ہوئی تھی کہ ایک اور روح فرسا خبر سننے میں آئی۔ وہ یہ کہ وہ خاکسار جو تصادم سے بچ کر واپس اپنے کیمپ نزد برلا مندر پہنچ گئے تھے، انہیں فوج نے محصور کر لیا تھا اور یہ افواہ گرم تھی کہ انہیں کسی بھی وقت گولی کا نشانہ بنا دیا جائے گا۔ ہسپتال کے باقی زخمیوں کی حالت خون کی بدولت کافی سنبھل چکی تھی، اور انہیں کوئی مہلک زخم بھی نہیں آیا تھا۔ اب ان محصور خاکساروں کا معاملہ ہمارے لیے انتہائی تشویش ناک تھا ہم نے زخمیوں کو عیسائی ڈاکٹروں کی نگرانی میں چھوڑا۔ مسٹر راجرا اور ان کی بیوی سے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کیا۔ وہ فوراً اپنی گاڑی لے کر ہسپتال پہنچے انہیں محصور خاکساروں کی صورت حال سے آگاہ کیا مسٹر راجر فوراً وہاں چلنے کے لئے تیار ہو گئے۔ مسٹر راجر کی بیوی نے بھی ساتھ چلنے پر اصرار کیا۔ چنانچہ ریڈ کراس کی گاڑی میں ہم خاکسار کیمپ کی طرف روانہ ہوئے۔

راستے میں تمام بازار بند تھے۔ البتہ سڑکوں کے دونوں کناروں پر بے گناہ مسلمانوں کی لاشوں کے انبار ضرور دیکھنے میں آتے تھے۔ بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور مردوں کی مسخ شدہ لاشیں تھیں، جنہیں کتے اور گدھ بھی قبول نہ کرتے

تھے۔ان لاشوں کے تعفن سے دماغ پھٹے جاتے تھے۔ جب گاڑی خاکسار کیمپ کے قریب پہنچی تو وہاں پولیس اور فوج کی بھاری جمعیت کے علاوہ ڈپٹی کمشنر اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بھی موجود تھے۔ ڈپٹی کمشنر مسٹر پوری پشاور کا باشندہ تھا اور مجھے خوب جانتا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا اور پولیس کو حکم دیا کہ مجھے فوراً حراست میں لے لیا جائے۔ پولیس کے سپاہیوں نے سنگینیں میرے سینے پر رکھ دیں۔ عین اسی لمحہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مسٹر جھا سامنے آ گئے، وہ مجھے جانتے تھے۔ان کی بروقت مداخلت سے میری جان بچ گئی۔ یہاں کا نقشہ بھی عجیب تھا۔ پولیس اور فوج کے سپاہی مشین گنیں سنبھالے بیٹھے تھے۔اور خاکساروں کو باڑ مارنے کے لئے صرف ایک اشارے کے منتظر تھے۔تمام معاملات طے ہو چکے تھے۔لیکن ہماری آمد نے ان کے پروگرام میں تعطل پیدا کر دیا۔ میں نے مسٹر پوری کو دھمکی دی کہ اگر ایک بھی مسلمان کا خون ناحق بہایا گیا تو پشاور میں تمہاری پوری نسل ختم کر دی جائے گی۔ دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔ میں نے مسٹر پوری سے یہ بھی کہا کہ تم اس خون ناحق کو چھپا نہیں سکو گے، یہ میرے ساتھ امریکن ریڈ کراس سوسائٹی کا قائد مسٹر راجر موجود ہے، یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔تمہاری اس حرکت کی تشہیر ساری دنیا میں ہوگی اور تم اس پر کسی قسم کا پردہ نہیں ڈال سکو گے۔ساتھ ہی ہم نے مس مردولا سارابائی، مہاتما گاندھی اور چیف سیکرٹری کو بذریعہ تار صورت حال سے آگاہ کیا۔ مجھے حیرت ان مٹھی بھر خاکساروں پر تھی جو مشین گنوں کے مقابلے میں محصور ہونے کے باوجود سینے تانے بیٹھے تھے۔موت ان کے سامنے کھڑی تھی زندگی اور موت کے درمیان صرف ایک اشارے کا فاصلہ تھا بلکہ زندگی اور موت کے ڈانڈے آپس میں مل چکے تھے لیکن ان خدا کے بندوں کو اس حال میں پایا کہ کسی کے چہرے پر نہ گھبراہٹ تھی نہ ملال، بلکہ وہ سکون اور اطمینان خاطر سے جمے بیٹھے تھے۔

آخر فیصلہ یہ ہوا کہ مجھے ان خاکساروں سے گفتگو کرنے دی جائے۔ مسٹر جھا، مسٹر راجر اور بعض دوسرے امن دوست افراد کی کوششوں سے یہ مرحلہ طے ہوا۔ میں خاکساروں کے پاس پہنچا اور ان سے گفتگو شروع کی بعد مشکل میں نے انھیں پرامن گرفتاری پر رضامند کر لیا۔ان کے کیمپ کے سامان کو سربمہر کر دیا گیا۔اور پولیس کی گاڑیاں ان خاکساروں کو لے کر جیل کی طرف روانہ ہوئیں۔ میں نے ڈپٹی کمشنر سے گرفتار شدگان کی تعداد اور ان کے سامان کی باقاعدہ رسید حاصل کی اور مسٹر راجر کی معیت میں واپس ہسپتال پہنچے۔

وہ چار خاکسار جو ہسپتال میں دم توڑ گئے تھے ان کا پوسٹ مارٹم کیا جا چکا تھا۔لیکن ہندو ڈاکٹروں کے تعصب کا یہ عالم تھا کہ وہ ان کی لاشیں ہمارے حوالے کرنے کیلئے تیار نہ تھے۔ان کی لاشوں کو کھلے آسمان تلے دھوپ میں رکھ دیا گیا تھا اور کسی کو ان کے قریب جانے کی اجازت نہ تھی۔ہم بے بس اور مجبور تھے۔ ہندو غنڈے قریب سے گزرتے اور ان لاشوں پر پتھر اور گندے انڈے پھینکتے۔ان کے شیطانی قہقہے ہمارے سینوں میں تیر کی طرح پیوست ہوتے جاتے تھے اور ہم دانت پیس کر رہ جاتے۔لاشوں میں تعفن پیدا ہو چکا تھا اور پھول گئی تھیں۔تین دن کے دلخراش انتظار کے بعد ہمارا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ آخر ہم نے فیصلہ کیا کہ یا تو لاشیں حاصل کریں گے یا ہم بھی ان سے ٹکرا کر ختم ہو جائیں گے۔احتیاطاً ہم نے مس

مردولا سارابائی گاندھی جی پنڈت نہرو مولانا ابوالکلام آزاد کو تاریں دیں اور انہیں تمام صورت حال سے آگاہ کیا چوتھے دن ایک بجے کے قریب حکم ملا کہ لاشیں ہمارے حوالے کردی جائیں۔ شہر میں دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ تھا ہم ان لاشوں کو اپنے کیمپ میں لے آئے۔ تجہیز و تکفین کا بندوبست کیا، لاشوں کو غسل دیا اور جنازے کی تیاری کی۔ جونہی مسلمانوں کو علم ہوا کہ شہیدوں کی لاشیں قبرستان کی طرف تدفین کے لیے لے جائی جارہی ہیں وہ جوق اور جوق ہمارے ساتھ شامل ہونے لگے۔ اور تقریباً پانچ سو افراد کے ایک جلوس کی شکل میں ان شہداء کا جنازہ پورے تزک و احتشام سے اٹھایا گیا۔ شہر پٹنہ کے سرکردہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کے علاوہ اسمبلی کے ممبران بھی شریک جنازہ تھے۔ میجر جنرل شاہ نواز ڈیڑھ سو میل دور تھے وہ مجلس جنازہ میں شریک ہونے کیلئے پٹنہ پہنچے۔ سید شاہ عذیر منعمی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ یہ نظارہ بڑا رقت انگیز تھا۔ ہر طرف ہچکیوں اور سسکیوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ نہ جانے یہ شہداء کن ماؤں کے بیٹے، کن بہنوں کے بھائی اور کن دلہنوں کا سہاگ تھے جو غریب الوطنی کے عالم میں اپنے قائد کے ادنیٰ اشارے پر خاک وخون میں لوٹ گئے۔ ہم نے انہیں کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ان کی آخری آرام گاہوں میں اتارا۔ اشکوں کے نذرانے ان شہداء کے حضور پیش کیے۔ بظاہر یہ مردان حُر منوں مٹی تلے دبا دیے گئے۔ لیکن قرآن مجید کے یہ الفاظ ہمارے کانوں میں گونج رہے تھے۔ وہ لوگ جو راہ خدا میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو، وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھ پاتے۔

یہ مرحلہ طے ہو چکا تو اب گرفتار ہونے والے خاکساروں کی رہائی کا مسئلہ ہمارے سامنے تھا۔ حالات روز بروز مخدوش ہوتے جارہے تھے۔ ہر طرف مسلمانوں کا قتل عام جاری تھا۔ مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے تھے۔ ان کی زندگی ہر وقت خطرے میں تھی۔ ہندو غنڈوں کی ذہنیت کھل کر سامنے آچکی تھی۔ سکھوں کی درندگی ہماری تاریخ آزادی کے متعدد المیہ باب مرتب کررہی تھی۔ بعض ہندو لیڈروں، خاص کر گاندھی جی کی انسانیت کے نام پر امن کی تمام اپیلیں ہندوؤں اور سکھوں نے پائے حقارت سے ٹھکرا دیں۔

ابھی ان بتیس خاکساروں کا فیصلہ نہیں ہونے پایا تھا کہ ۱۴ اگست آن پہنچا۔ ملک کو تقسیم کردیا گیا۔ مسلمانوں نے جدوجہد آزادی کی جو تحریک ہلالی پرچم کے سائے میں ٹیپو سلطان شہید کی قیادت میں شروع کی تھی وہ لاکھوں مسلمانوں کے خون، ہزاروں مسلمان خواتین کی عصمت ریزی کے بعد منزل مقصود پر پہنچی۔ ان خاکساروں پر جو مقدمہ قائم کیا گیا تھا تقسیم ملک کے بعد اس کی اہمیت ختم ہوگئی۔ انہیں اس شرط پر رہا کیا گیا کہ وہ پٹنہ سے چلے جائیں اور آئندہ کوئی ایسا اجتماع نہ کریں۔ اب اجتماع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ ۱۴ / اگست کو ان ۳۲ جانبازوں کی رہائی کا حکم صادر ہوا۔

(مطبوعہ: روزنامہ ''کوہستان'' ۔۱۲ / جون ۱۹۶۴ء)

کلکِ شمابیاضِ من......مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کے آٹوگراف

محمد ایوب اولیا

تھا ضبط بہت مشکل اس سیلِ معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرار کتاب آخر

مبدأ فیاض نے بہت کم لوگوں کو فن تقریر جیسی خوبی سے نوازا ہے۔ یہ ہے بھی بہت بلند مرتبہ اور رفیع الشان مقام۔ اگر ہم تاریخ میں چرچل، سعد زاغلول پاشا اور دوسرے مشاہیر کا نام سنتے ہیں تو ان میں سے بیشتر فن تقریر سے آشنا تھے۔ وہ بات کرنا جانتے تھے قیافہ شناسی کی صفت سے متصف تھے۔ چنانچہ اسی گفتگو یا تقریر کی ہی بدولت کامیابی ان کے قدم چومتی تھی۔ وہ عوام کی نبض پہچانتے تھے اور عوام ہی کے جذبات کی ترجمانی کرتے تھے اور بالآخر اپنی بے پناہ لسانی طاقت کہ وجہ سے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے تھے۔ حق تو یہ ہے کہ جس آدمی کو بات کرنا نہیں آتا اس کارگۂ ہستی میں کبھی فائز المرام نہیں ہوسکتا۔ جو شخص اپنا ماضی الضمیر احسن طریق سے واضح نہ کر سکے وہ کیا خاک کامیاب ہوگا۔ دنیا کی تاریخ پڑھ جایئے آپ کو چند ہی ایسے مشاہیر ملیں گے جو اچھا نہ بول سکتے ہوں۔ ان میں سے زیادہ تعداد بہترین مقرروں اور انشاء پردازوں کی ہوگی۔ اور اپنا مدعا دلنشین پیرائے میں بیان کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں گے۔ ان کے الفاظ محتاط جامع و مانع ہوں گے اور یہی وہ واحد خوبی ہے جو ایک شخصیت کو دوسری شخصیت سے متمیز کرتی ہے۔

برطانیہ کی تاریخ کو لیجئے چرچل بیسویں صدی کی بہت بڑی شخصیت ہے اور اس کا سبب یہی ہے کہ وہ بہترین مقرر، ادیب اور انشاء پرداز ہے۔ وہ اسمبلی میں جب کسی مسئلے پر رائے زنی کرتا تھا تو ایوان میں سکوت طاری ہو جاتا اور اس کی تقریر سے ممبران ایوان سب کے سب متاثر نظر آتے تھے۔ میدان جنگ میں اس کی تقریر ''قرنا'' اور ''رجز'' کا کام دیتی تھی۔ فی الواقعی وہ دنیا کے بہترین مقرروں کی قبیل میں نمایاں درجہ رکھتا تھا۔ اور یہ صرف زبان دانی اور قوت تقریر کی وجہ سے ہے۔ مصر کے سعد زاغلول پاشا کی تقریروں کے اب تک اقتباس دہرائے جاتے ہیں۔ اس کی خطابت اور زبان دانی میں بین الاقوامی صداقت ہے۔ گاندھی اپنے وقت کا بہترین ادیب اور مقرر تھا۔ نہرو موجودہ بھارت کا بڑا اچھا جذباتی بولنے والا ہے اور مولانا آزاد تو امام المقررین ہیں۔ مگر عوام زیادہ بہتر طور پر ان کی تقریر سمجھ نہیں پاتے۔ وہ متوسط اور تعلیم یافتہ طبقہ کے سب سے بڑے انشاء پرداز اور جادو بیان مقرر ہیں۔ ان کی تقریر سنجیدہ منطقیانہ اور پُر استدلال ہوتی ہے اگرچہ ان کی تقریر میں جذبات بھی رواں دواں ہوتے ہیں مگر عوامی خطیب کہلانے کا استحقاق نہیں رکھتے۔ بہر کیف وہ اپنی اقلیم تقریر کے واحد اور بلاشرکت غیرے شہنشاہ ہیں اور اپنا اچھوتا اور البیلا انداز رکھتے ہیں۔ ظفر علی خاں جذباتی تقریر میں اپنا جواب آپ تھے۔ لیکن ان کی اردو بھی عربی و فارسی کے راستے ہندوستان میں وارد ہوتی ہے۔ اس لیے ان کی تقریر بھی ان پڑھ عوام کلی طور پر متمتع و مستفید نہیں ہوسکتے تھے۔ بہرطور ان کی تقریر کی بدیہہ گوئی اور برجستہ گوئی بھی مسلم ہے۔ مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی!

آج مجھے اپنے ملک کے چرچل، زاغلول پاشا، گاندھی اور ابوالکلام کے متعلق کچھ کہنا ہے۔ اُن سے ایک ملاقات کا تذکرہ مجھے مقصود ہے اور وہ شخصیت اور عوامی خطیب حضرت جناب سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہیں۔ جن کی تقریریں آج بھی زبان زد خلائق ہیں۔ لیکن اب لوگ ان کی تقریر سننے کو ترس گئے ہیں۔ ان کی ہردلعزیزی کا سرِ مکتوم یہی ہے کہ وہ عوام کے دل کی بات کہتے ہیں۔ انہوں نے ایک دفعہ خود کہا تھا۔ ''میں لوگوں کی آنکھوں سے مضامین چنتا ہوں''۔

میٹرک کے آخری ایام تھے اور سالانہ امتحان میں صرف دو تین دن رہ گئے تھے۔ اُن دنوں طالبعلموں کی جان پر بنی ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم بھی امتحانی عارضے میں مبتلا تھے۔ معلوم ہوا کہ مولانا محمد علی جالندھری دوسرے احراری زعما اور خود شاہ جی تشریف لا رہے ہیں۔ شیدائیان علم وادب کے لیے سنہری موقع کہ بہت بڑا عوامی خطیب آرہا ہے اور بہت بڑا عذاب (امتحان) بھی ساتھ ہی آرہا تھا۔ پہلا پرچہ بھی تاریخ جغرافیہ کا تھا۔ جس سے اچھے بھلے طالب علموں کی بھی جان خطا ہوتی ہے۔ عجیب کش مکش اور مخمصے میں پھنس گئے گویا

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر

بہر حال یار لوگوں نے عزم صمیم کر لیا کہ اس نادر موقع کو ہاتھ سے نہ کھونا چاہیے۔ رات (۲۷ فروری ۱۹۵۶ء) کو جلسہ تھا۔ لیکن شاہ جی ندارد پوچھنے پر معلوم ہوا کہ شاہ جی آتو گئے ہیں مگر تھکاوٹ کی وجہ سے صبح تقریر کریں گے۔ ایک دن تو ضائع ہو چکا تھا سخت افسوس ہوا۔ امتحان جائے مگر مہمان نہ جائے والا معاملہ نہ تھا۔ دوسری صبح بھی مشاقان شاہ جی جائے مقررہ پر جا پہنچے۔ ذرا دیر سے پہنچے۔ شاہ صاحب چوکڑی مارے بیٹھے تھے اور اب دیکھئے اندازِ گل افشانی گفتار!

زبان سے پھول جھڑ رہے تھے، دہلوی لہجہ، تلفظ درست، محاورہ پر محاورہ چُست ہو رہا تھا۔ چٹکلیاں، پھبتیاں، علمی نکتے، سنجیدہ مقولے، قرآن پاک کی تلاوت مترنم اشعار گویا دعوت رنگا رنگ تھی، جس میں سب کو بقدرِ شوق وتوفیق مل رہا تھا۔ حاضرین عش عش کر رہے تھے۔ شاہ جی جھوم جھوم کر موتی رول رہے تھے۔ اگرچہ آواز میں پہلا سا دم خم باقی نہ رہا تھا لیکن یارانِ سخن کے لیے بہت کچھ تھا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ آسمان پر کالے بادل چھا گئے۔ جو بارانِ رحمت کا پیش خیمہ تھے۔ ''گائیک'' موسم موافق دیکھ کر اپنے گلے کی خوبی دکھا رہا تھا۔ ''ملہار'' اپنے جوبن پر پہنچ گیا۔ قریب تھا کہ ''سوزِ سخن'' سے ''بہار'' میں آگ لگ جاتی۔ حفیظ کا مصرع ہے۔ ''سوزِ سخن سے آگ لگا دوں بہار میں''۔ چھاجوں مینہ برسنا شروع ہوا۔ اس پر مستزاد اولے۔ پہلے تو لوگ موضوع کی دلچسپی اور شاہ جی کی ساحرانہ شخصیت کی وجہ سے دم بخود بیٹھے رہے مگر تا کجے۔ ژالہ باری بھی بلائے جان ہوگئی تو لوگ منتشر ہونا شروع ہو گئے۔ نامہ نگار لکھے جا رہے تھے۔ میزوں کے نیچے دبکے۔ چھتریوں کے نیچے لکھے جا رہے تھے کہ کہیں کوئی گوہر تابدار ان سے بچ نہ جائے۔ شاہ جی دونوں ہاتھوں سے لٹا رہے تھے۔ اور سخن فہم ''تنگی داماں'' کا گلہ کر رہے تھے۔ جب زیادہ ہی موسم خراب ہو گیا اور لوگ بے تحاشا بھاگنے لگے تو شاہ جی نے مسکرا کر ٹھیٹھ پنجابی لہجے میں کہا ''اوئے بے جاؤ! میں کوئی تہاڈے پیو دا نوکر آں۔ اپنا سنگ پاڑن لگا ہویاں آں۔''

مگر مجمع بے قابو ہو چکا تھا۔ شاہ جی کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ شاہ جی پانی میں شرابور ہو چکے تھے۔ جلسہ برخاست کیا اور جامع مسجد اپنی اقامت گاہ میں چلے گئے۔ میں بھی آستانہ عالیہ پر جا پہنچا۔ شاہ جی نے کپڑے بدلے میرے پاس آٹو گراف البم تھا اور مجھے جستجو تھی کہ شاہ جی سے ہجوم کم ہو اور میں ان کے آٹو گراف حاصل کروں۔ میرے ساتھ میرے ایک عزیز دوست بھی تھے۔ بار بار جرأت کرتا مگر شاہ جی کا بارعب چہرہ دیکھ کر گھبرا جاتا۔ ایک صاحب کہنے لگے ''واہ جی! آپ کو

شاہ جی کیوں آٹوگراف دینے لگے۔ انہوں نے تو شورش کو بھی آٹوگراف نہیں دیے تھے۔''

میں بھی ''چٹان'' کے سالگرہ نمبر میں بخاری صاحب کے فوٹوگراف کے سامنے استفہامیہ علامت (؟) دیکھ چکا تھا۔ میں نے کہا ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس سے میری جرأت کو اور بھی ضعف پہنچا۔ گھر سے نکل چکا تھا۔ گوہرِ مقصود حاصل ہونے ہی والا تھا کہ آنجناب نے آٹا نگ اڑائی اور مجھے دل برداشتہ کردیا۔ میں بھی طے کر چکا تھا کہ اس شعر کے مصداق ''نکو'' نہیں بنوں گا۔

قسمت پہ اس مسافر بیکس کی روئیے
جو تھک کے بیٹھ گیا ہو منزل کے سامنے

شاہ جی کے عقیدت مند پاؤں دبا رہے تھے۔ میں بھی ان کے پاس جا پہنچا اور شاہ جی سے آٹوگراف کے متعلق کہا، کہنے لگے ''بھئی شعر میں لکھوا دیتا ہوں لکھ لو نیچے میں دستخط کر دوں گا۔'' میں نے کہا خود ہی شعر لکھیے اور دستخط بھی کیجیے۔ کہنے لگے: ''تھک گیا ہوں، اس لیے معذور ہوں۔'' پاس ہی سائیں حیات اور امین گیلانی بیٹھے تھے۔ وہ مجھے کہنے لگے۔ ''لائیے ہم لکھ دیتے ہیں۔ شاہ جی سے صرف دستخط کروا لیجیے گا۔'' میں اس پر بھی رضامند نہ ہوا۔ ایک صاحب کہنے لگے۔ شاہ جی کے دست مبارک سے شعر اور دستخط لینا چاہتے ہیں۔ میں نے فوراً کہا۔ ''نہیں صاحب! دست مبارک سے نہیں بلکہ دست خاص سے۔'' شاہ جی اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے ''سن لیا بھئی! دست خاص سے لکھوانا ہے ان کو۔'' اور پھر اس پر مسکرا دیے۔ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور اپنے نانا کی تعریف میں ایک شعر لکھ دیا جو نذر قارئین ہے۔

یتیم مکہ محمد کہ آبروئے خدا است
کسی کہ خاک رہش نیست بر سرش خاک است

(عطاء اللہ شاہ بخاری، ۲۸ر فروری ۱۹۵۶ء۔ گوجرانوالہ)

ہفت اقلیم کی دولت مل چکی تھی، غنچہ دل باغ باغ تھا، شاہ جی کا شکریہ ادا کیا، ساری کوفت دور ہوگئی۔ ہم نے شاہ جی کے اس فرمان کو امتحان کے لیے بھی تیر بہدف تعویذ سمجھ لیا۔ یہ ہماری ایک خوش اعتقادی ہے یا شاہ جی کرامت کہ اس سال پرچے بھی نسبتاً آسان آئے۔

آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں
غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے

شاہ جی! چراغ سحری ہیں۔ وہ دنیا کے سرد و گرم چشیدہ ہیں، انہوں نے بہت سے انقلاب دیکھے اور برپا کیے ہیں۔ ایک زمانے میں وہ مجسم انقلاب تھے اب آتش بوڑھا ہو گیا ہے۔

وہ ہماری متاع عزیز ہیں، مفلوج ہیں اور مختلف عوارض میں مبتلا۔ وہ ہماری بیش بہا پونجی ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کے لیے بہت کچھ کیا ہے اور سیاسی شعور بیدار کرنے میں بڑا اہم رول ادا کیا ہے۔ آج کل وہ ساکن زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کا کام ختم ہو چکا ہے، ہمیں اور ہماری قوم کو ان کی عزت اور خدمت کرنی چاہیے۔

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انھیں کچھ نہ کہو

(روزنامہ ''آزاد'' لاہور، ۸ر جنوری ۱۹۵۷ء)——(مشمولہ: نیرنگ نظر۔ محمد ایوب اولیا)

پیکرِ علم و عمل......امامِ تاریخ وسیرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاریؒ

انیس الرحمٰن (متعلم جامعہ خیر المدارس ملتان)

نوعِ انسانی کے پہلے فرد حضرت سیدنا آدم علیہ الصلوۃ والسلام سے لیکر آج تک انسانوں کی بے شمار تعداد نے اس زمین کو اپنا مسکن بنایا لیکن موت جیسے قانون کے لاگو ہونے پر وہ اس دار الفنا سے دار البقا کی طرف منتقل ہو گئے۔ تاہم کچھ نفوس قدسیہ ایسی گزریں ہیں کہ برس ہا برس گزرنے کے باوجود ان کا ذکر خیر باقی ہے۔ بعض شخصیات تو ایسی ہوتی ہیں جن کا ذکر خیر محبوں کے دلوں میں ایسا رچ بس جاتا ہے جو نکلنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ حلقہ اہل علم وفضل میں کسی شخصیت کے یاد رہ جانے کی ایک ممتاز وجہ جامعیت ہوتی ہے۔ یعنی علم وتقوی، تواضع وسادگی، زہد وپرہیز گاری، اعتدال پسندی، اتباع سنت کا شغف، حق گوئی اور راست بازی وغیرہ کا جمع ہونا۔ اور ایسی شخصیت کی موت عام موت نہیں ہوتی بلکہ ان سب صفات حسنہ کی موت ہے۔

اس کی ایک مثال قافلہ حریت کے پاسبان، خاندان بنو ہاشم کے گل سرسبد، حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے فرزند اکبر وجانشین، امام اہلسنت، محقق دوراں نسابۂ زمان حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر شاہ حسنی قادری بخاری تغمدہ اللہ بغفرانہٖ کی ذات گرامی ہے۔ جن کا انتقال پر ملال میں سانحۂ ارتحال 23 اکتوبر 1995ء کو رونما ہوا۔ چوتھائی صدی گزرنے کو ہے لیکن آج بھی آپ اپنی نسبی، نسبتی اولاد اور روحانی اولاد قافلۂ احرار کے ہر ہر سپاہی کے قلب وجگر میں زندہ ہیں۔

خالق ارض وسما اور مالک کون ومکان نے ہمارے امام اہلسنت جانشین امیر شریعت رحمہ اللہ کو بہت سی ایسی صفات سے متصف کیا جن میں وہ اپنے ہم عصروں میں فرد یگانہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ بیک وقت علم تفسیر، علم حدیث علم فقہ واصول فقہ، صرف ونحو، منطق وفلسفہ سمیت دیگر فنون میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ علم تاریخ کے ایسے شہسوار تھے کہ لمبی لمبی عبارتیں از بر تھیں اور نہایت ہی سہل انداز سے نوک زبان ہوتی تھیں۔ خطابت آپ کو ورثے میں ملی تھی۔ تقریر میں برق رفتاری آپ کے بحر العلوم ہونے پر دال تھی۔ بے پناہ مطالعے نے آپ کو ہمیشہ اُونچا رکھا اور اس کے اظہار نے ہم عصر جبال علم کو متاثر کیا اور ان سے خراج تحسین وصول کیا۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ نے آپ کو علم الانساب کے امام اور محقق دوراں قرار دیا۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مبلغ اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی، امام اہلسنت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہم اللہ آپ کے مطالعے اور تحقیق وخطابت کے ہمیشہ معترف رہے۔ آپ اپنے استاذ خیر العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کے مایہ ناز شاگرد اور قابل فخر علمی وارث تھے۔ انہوں نے آپ کو فصیح البیان کا لقب عطا فرمایا۔ آپ کی قائدانہ وخطیبانہ صلاحیتوں کے بارے میں آپ کے والد ماجد حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر چہ یہ مجھ جیسا تو نہیں ہے لیکن میرے بعد اس جیسا بھی کوئی نہیں ہوگا۔

آپ کو پاکستان میں دینی جدوجہد کے کئی محاذوں پر اولیت کا شرف حاصل ہوا۔ پاکستان کی تاریخ میں آپ

دفاع صحابہ رضی اللہ عنھم اجمعین کی تحریک کی پہلی منظم اور طاقت ور آواز تھے۔ برصغیر پاک وہند میں دفاع صحابہ کے سلسلہ میں پہلی مرتبہ 1961ء میں یوم معاویہ منایا۔ اور اس کیلئے بعض نادان دوستوں اور دانا دشمنوں کی شدید مزاحمت کے مقابلے میں کوہ استقامت بن گئے۔ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت ازواج واصحاب رسول علیھم السلام آپ کے خاص موضوع تھے۔ تاریخ، اسماء الرجال اور علم الانساب پر آپ کو بے پناہ عبور حاصل تھا۔ جس کا اندازہ دوران تقریر اور گفتگو میں ہوتا تھا۔ 1953ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں روپوش رہ کر کام کرنے والوں کے سرخیل تھے۔ روپوشی کے ایام میں تحریک کے اسیر رہنماؤں سے جیل میں رابطہ قائم رکھا اور ان کی ہدایت پر عمل پیرا ہو کر تحفظ ختم نبوت کا محاذ سرگرم رکھا۔ حکومت اپنی ساری کوششوں کے باوجود انہیں گرفتار نہ کرسکی۔ 21 اگست 1961ء میں حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ کا انتقال ہوگیا مجلس احرار اسلام پر ان دنوں پابندی تھی۔ آپ نے مجلس خدام صحابہ کی بنیاد رکھی اور اس کے ساتھ ساتھ جماعت کے شعبۂ تبلیغ تحفظ ختم نبوت کے محاذ کو تر وتازہ رکھا۔

انہی دنوں ملتان میں ہفتہ وار درس قرآن کا آغاز کیا اور علم وعرفان کے موتی بکھیرتے رہے۔ تب شاہ جی رحمہ اللہ کا عہد شباب تھا اور اس دور کے دروس میں نوجوانوں کا ایک جم غفیر ستاروں کی طرح اس ماہتاب علم کے گرد جمع ہوگیا۔ سینکڑوں نوجوانوں کی زندگیاں بدل گئیں اور ان کے افکار وعقائد کی اصلاح ہوئی۔ 1962ء میں مجلس احرار اسلام سے پابندی ختم ہوئی تو احرار کی تنظیم نو کے لیے متحرک ہوگئے اور اپنی تمام تر توانائیاں صرف کردیں۔ آپ جماعت کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ 1968ء میں جماعت کا منشور اور دستور لکھا جو ان کی علمی صلاحیتوں کا شاہکار ہے۔ 1974ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں قائدانہ کردار ادا کیا۔ آپ کی خداداد صلاحیتوں اور کارناموں کے پیش نظر ہی 1975ء میں مجلس احرار اسلام کی مجلس شوریٰ نے آپ کو امیر مرکزیہ منتخب کیا۔ 27 فروری 1976 کو دارالکفر والارتداد ''ربوہ'' کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اجتماع جمعہ منعقد کیا اور مسلمانوں کی پہلی مسجد ''جامع مسجد احرار'' کا سنگ بنیاد اپنے دست مبارک سے رکھا۔ سات ضلعوں کی پولیس ان تاریخی لمحات کو ناکام بنانے اور آپ کو گرفتار کرنے کے لیے حرکت میں تھی۔ آپ رحمہ اللہ نے اجتماع جمعہ سے خطاب فرمایا اور نماز جمعہ سے قبل ہی گرفتار کرلیے گئے۔

حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ نے تصنیف وتالیف میں بھی اپنے جوہر دکھائے اور پچاس کے قریب تصانیف یادگار چھوڑی۔ جن میں سے مجمع المصادر العربیہ، کان پارسی، طلوع سحر، احکام ومسائل، سواطع الالہام، اسلام اور کسان، اسلام اور مزدور، رعد فغاں وغیرہم قابل ذکر ہیں۔ آپ نے مختلف تنظیموں کا قیام کیا جن سے بہت فوائد رونما ہوئے۔ آپ نے احرار کارکنوں کی نظری وفکری تربیت فرمائی ان کو ایک نصب العین دیا۔ ان کو ایک شناخت دی۔ غیرت، حمیت اسلامی، بردباری، تحمل اور خودداری کا وارث بنایا۔

درحقیقت آپ اپنی ذات میں کئی جماعتوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ سے اللہ پاک نے گزشتہ صدی میں وہ کام لیا جو کئی جماعتیں بھی مل کر بمشکل کرپاتی ہیں۔ اس کی کئی وجوہات میں سے ایک بنیادی وجہ آپ کے عزائم وارادوں کا پختہ ہونا ہے۔ لیکن آپ کا تعلق مع اللہ اور رجوع الی اللہ آپ کے عزائم اور ارادوں سے زیادہ قوی اور مضبوط تھا۔ حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ نے مرشد العلماء والاحرار حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری تغمدہ اللہ بغفرانہ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ اور تصوف کی تمام منازل طے کرنے کے بعد 1960ء میں خلعت خلافت سے

سرفراز ہوئے اور شیخ المشائخ کے منظورِ نظر بنے، زہد و تقویٰ مثالی تھا۔ شب بیداری معمول تھا سلسلہ قادریہ کے معمولات کے مطابق ذکر و شغل سے اوقات معمور رہتے تھے۔ تقدیر پر غالب یقین تھا دل و دماغ میں توکل علی اللہ کے سوا کچھ نہ تھا حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی صحت کچھ عرصہ سے متاثر رہنے لگی تھی۔ پہلے دو مرتبہ تانگہ اور کار کے ایکسیڈنٹ کی وجہ سے صاحب فراش رہے۔ جون 1991ء میں والدہ ماجدہ سیدہ ام الاحرار رحمۃ اللہ علیہا کے انتقال پر ملال نے صحت کو اور زیادہ متاثر کیا۔ پھر فالج کے ساتھ متعدد امراض نے حملہ کر دیا۔ جس کی وجہ سے مسلسل صاحب فراش رہنے لگے۔ چلنا پھرنا بھی محض لاٹھی کے سہارے ہوتا، وہ بھی گھر سے بیٹھک تک۔ فارغ اوقات میں مختلف احباب و متوسلین اور معتقدین کے آنے والے خطوط کے جوابات لکھواتے۔

حضرت امام اہلسنت رحمہ اللہ اپنی عمر کے آخری ایام میں بہت زیادہ تکالیف و مصائب کا شکار رہے۔ آہستہ آہستہ بستر سے اُٹھنا بھی موقوف ہوگیا۔ وقت تیزی سے جانب منزل سفر کررہا تھا زندگی کی طنابیں کھنچی جارہی تھیں فاصلے تیزی سے سمٹ رہے تھے۔ شاہ جی رحمہ اللہ کا استغراق بڑھتا گیا حتیٰ کہ 23 اکتوبر 1995ء کی شام آگئی جو حلقہ احرار کے لیے قیامت سے کم نہ تھی۔ آپ کو آخری تدبیر کے طور پر ملتان کے معروف سیال کلینک لے جایا گیا وقت موعود آچکا تھا۔ سیال کلینک کے ایک کمرہ میں وقت کا عظیم مفکر و مدبر تحفظ ناموس رسالت اور تحفظ ناموس صحابہ کا عظیم سپاہی اور محافظ مجدد الاحرار حضرت مولانا امام سید ابومعاویہ ابوذر شاہ بخاری رحمہ اللہ اپنے رب کے حضور پہنچنے کیلئے بڑی بے تابی کے ساتھ جان جان آفریں کے سپرد کررہا تھا، شاہ جی رحمہ اللہ کے چہرہ پر سکون و اطمینان کی لہر رقم تھی۔ آپ نے آخری تین سانسوں میں تین مرتبہ اللہ اللہ اللہ کہا۔ آخر کار رات کے 10 بج کر 40 منٹ پر اسلام کے اس عظیم فرزند نے اس دنیا فانی سے آنکھیں موز لیں اور روح یاایتھا النفس المطمئنہ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیہ کی نداء پر لبیک کہتے ہوئے قفس عنصری سے نکل کر عالمِ جاوداں کو پہنچ گئی۔ ایک عہد ساز انسان عالم فنا سے عالم بقا کو چلا گیا تاریخ کا ایک سنہرا باب ختم ہوگیا ابن امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء المومن شاہ بخاری رحمہ اللہ نے اس وقت غم سے نڈھال ہو کر فرمایا کہ اس شخص نے تمام زندگی دین کی خدمت کی ہے، بے شک اس نے جینے کا حق ادا کر دیا۔

آپ کو آپ کے فرزندان گرامی جناب محسن و مربی مولانا حافظ سید محمد معاویہ شاہ بخاری مدظلہ اور سید محمد مغیرہ شاہ بخاری نے مل کر غسل دیا۔ آپ کی نماز جنازہ سپورٹس گراؤنڈ ملتان میں آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے مادر علمی جامعہ خیر المدارس ملتان کے مولانا مفتی عبدالستار رحمہ اللہ نے پڑھائی اس کے بعد آپ کو جلال باقری قبرستان میں والد ماجد حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ اور والدہ ماجدہ سیدہ ام الاحرار رحمہ اللہ علیہا کے درمیان میں سپرد خاک کیا گیا۔ شاہ جی رحمہ اللہ نے ساری عمر جس عزیمت و استقامت سے گزاری وہ انہی کا حصہ تھا تحریک ختم نبوت 1953ء میں ہو یا تحریک تحفظ ختم نبوت 1974ء ہو، دہریت، لادینیت کا فرانہ نظام ہائے زندگی ہوں یا اباحت پسندی کے خلاف محاذ، تحریک مدح صحابہ ہو یا تحریک تجدید اسماء الصحابہ، خارجیت و رافضیت و سبائیت اور ناصبیت کے خلاف محاذ ہو یا قادیانیت کا استیصال...... غرض ہر تحریک میں قائدانہ کردار ادا کیا۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْہُ وَعَافِہٖ وَاعْفُ عَنْہُ

کیا حفظِ قرآن بدعت ہے؟

مفتی منیب الرحمٰن

مسلم دنیا پر ایک اُفتاد تو عالم سامراجی قوتوں کی جانب سے مسلط ہے اور دوسرا عذاب دین اسلام، شعائر اسلام اور متفق علیہ معاملات میں رخنہ اندازی کی صورت میں سامنے آ رہا ہے۔ گذشتہ دنوں جناب جاوید غامدی کی زیر سر پرستی شائع ہونے والے ماہنامہ اشراق (جون 2019ء) میں موصوف کے قابل اعتماد رفیق عرفان شہزاد صاحب کا ایک مضمون بعنوان: ''قرآن کے حفظ کی رسم پر نظر ثانی کی ضرورت'' پڑھنے اور متبادل بیانیہ جاننے کا موقع ملا۔

مضمون نگار نے حفظ قرآن کریم کی سعادت و فضیلت کو، جس پر اُمت کا اجماع رہا ہے۔ اس سعادت کو غیر اہم قرار دیتے ہوئے لکھا: ''مسلم سماج میں...... عام تاثر یہ ہے کہ یہ قرآن مجید کی حفاظت کا ذریعہ اور باعث اجر و سعادت ہے۔ یہ تصور چند در چند فہمیوں کا مرکب ہے'' مزید لکھا: ''حفظ قرآن کی موجودہ رسم اور اس سے جُڑے اجر و ثواب اور گناہ کے دینی تصورات اسے ایک بدعت بناتے ہیں'' پھر لکھا: ''[حتیٰ کہ] یہ خیال ایجاد کیا گیا کہ قرآن مجید کا حفظ کرنا معجزہ ہے۔ یہ حقیقتاً درست نہیں''۔ آگے چل کر لکھا: اتنا وقت اتنی ضخامت کی کسی بھی کتاب کو زبانی یاد رکھنے کے لیے کافی ہے، خصوصاً جب الفاظ میں ایک خاص قسم کی موسیقیت اور موزونیت بھی پائی جاتی ہو تو یہ اور بھی سہل ہو جاتا ہے''۔ گویا موصوف کے نزدیک قرآن کریم کے یاد ہونے کا سبب عِیاذاً باللہ! اس کی موزونیت اور موسیقیت ہے۔

موصوف سے سوال ہے: دنیا میں دیگر مذاہب اور ان کی مذہبی کتب بھی ہیں یا علوم و فنون کی بے شمار کتابیں ہیں، کیا اتنی ضخامت کی کوئی ایک کتاب بھی ایسی ہے، جس کو دنیا میں موجود قرآن کے حفاظ کرام کی کل تعداد کے ایک فی صد یا ایک فی ہزار نے بھی از اول تا آخر لفظ بلفظ یاد کر رکھا ہو؟ یہی مضمون نگار مزید یلغار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حفظ کے دوران رہائشی مدارس میں بچوں کا اپنے گھر سے دوری کا دُکھ، جنسی ہراسانی کا مسئلہ یہ سب بچے کی نفسیات میں غیر صحت مند رویے تشکیل دیتے ہیں''۔ بلا شبہ خود ہماری آرزو ہے کہ کہیں بھی ایسا واقعہ رُونما نہ ہو لیکن خال خال یعنی لاکھوں میں اگر کوئی ایک واقعہ بدقسمتی سے رُونما ہو جائے تو اس کا جواز پیش اور اس کا دفاع کوئی سلیم الفطرت انسان نہیں کر سکتا، مگر صرف اسی پر بس کیوں؟ اس طرح کے شاذ و نادر مگر افسوس ناک واقعات اسکولوں، کالجوں، اور یونی ورسٹیوں میں بھی رُونما ہوتے ہیں۔ کیا کبھی ان گھناؤنے واقعات کے سبب ان کی بندش کی ہمارے دانش دروں اور بیانیہ سازوں نے کبھی کوئی زبانی یا قلمی تحریک برپا کی ہے یا ان کا ہدف صرف حفظ قرآن کریم ہے۔

جدید تعلیمی اداروں میں موسیقی ڈراموں جیسی خرافات کے مقابلے ہوتے ہیں۔ مضمون نگار شاید انھیں بچوں میں

جوہر قابل کو نکھارنے کا نفسیاتی عمل قرار دیتے ہوں گے۔ اس لیے موصوف نے ان سلسلوں کو ہدف ملامت نہیں بنایا لیکن حفظ قرآن کریم کے مقابلوں کو شعبدہ بازی سے تعبیر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں ''قرآن مجید کے حفظ سے شعبدہ بازی کا کام بھی بعض حلقوں میں لیا جاتا ہے۔ طلبہ سے متن قرآن کے ساتھ صفحہ نمبر بلکہ آیت نمبر تک یاد کروائے جاتے ہیں۔ پھر بین الاقوامی مقابلوں میں یادداشت کے لیے کارنامے پیش کر کے داد تحسین وصول کی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آج کل خطابت یا تحریر میں حوالہ دینے کے لیے سورت کا نام آیت نمبر، حدیث کی کتاب اور رقم الحدیث کا جو رواج ہے۔ یہ اُن کے نزدیک شعبدہ بازی ہے۔

مضمون نگار آگے چل کر لکھتے ہیں: ماہ رمضان میں تراویح کی نماز جو درحقیقت نماز تہجد ہی ہے۔ میں پورے قرآن کی تلاوت اور اس کے سماع کا اہتمام مسلمانوں کا اپنا انتخاب ہے۔ اس کا سنت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جبریل کے ساتھ ماہ رمضان میں قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے نہ کہ نماز تہجد میں''۔

اس بیان سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا اجماع عملی اور امت کا عملی تواتر ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور مہاجرین و انصار، جو آپؐ کے براہ راست تربیت یافتہ تھے ان کے نزدیک ساقط الاعتبار ہیں۔ ان کا کوئی متواتر عمل بھی کسی درجے کی حجت نہیں ہے۔ بلکہ بدعت ہے۔ یہی صاحب لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول قرآن مجید کے حفظ کرنے کی ترغیب دلانے والی روایات میں سے جو معیار صحت پر پورا اترتی ہیں، اُن میں بھی اس تصور کا پایا جانا ممکن نہیں کہ آپ نے لوگوں کو بلا سمجھے قرآن مجید کو زبانی یاد کرنے کی تلقین فرمائی ہو۔ آپ کے مخاطبین قرآن مجید کی زبان سے واقف تھے۔ اُن کے لیے اسے سمجھے بغیر یاد کر لینا متصور ہی نہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا آج بھی عالم عرب کے عام اہل زبان قاعدہ تعلیم کے بغیر قرآن کے معانی و مطالب کو کما حقہ سمجھ سکتے ہیں؟ اگر ایسا ہوتا تو عالم عرب میں علوم عربیہ داسلامیہ کی درس گاہوں کی کوئی ضرورت نہ رہتی۔ پھر دیکھیے: کیا اُن تمام ممالک کے لوگ جن کی مادری زبان انگریزی ہے وہ با قاعدہ تعلیم حاصل کیے بغیر جدید سائنسی، فنی، ادبی اور سماجی علوم کو جان سکتے ہیں؟ اگر ایسا ہوتا تو مغرب میں ہر سطح کے تعلیمی اداروں کا وجود بے معنی ہو کر رہ جاتا۔ بلاشبہ صحابہ کرام اہل زبان تھے، لیکن اس کے باوجود اُن میں ماہرین تفسیر، ماہرین حدیث اور ماہرین فقہ محدود تعداد میں تھے کہ جنھوں نے با قاعدہ مکتب نبوت سے علم حاصل کیا تھا۔ صَفّہ کی درس گاہ آخر کس لیے تھی؟ انھی ماہرین کو قرآن کریم نے التوبہ ۹:۱۲۲ میں تَفَقُّهٌ فِي الدِّيْن سے تعبیر فرمایا ہے۔

اب آتے ہیں نفس مسئلہ کی طرف، سب سے پہلے ہم اس امر کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم کے معانی و مطالب اور احکام الٰہی کو بصورت اوامر و نواہی جاننا، ان کی تفہیم و تفہّم اور تعلیم و تعلم مقصود اصلی ہے اور اس سے امت میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ معانی اور مطالب قرآن کی اہمیت کی بنیاد پر الفاظ قرآنی پڑھنے پڑھانے کی اہمیت کم کرنا یا اسے بدعت قرار دینا دیا اسے شعبدہ بازی قرار دینا ہمارے نزدیک یہ بے دردی پر مبنی مہم کا اذیت ناک حصہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تعلیم قرآن اور تعلیم بیان (یعنی اس کے معانی ومطالب کی تفہیم) کو باہم مربوط کر کے بیان کیا ہے۔ اسی طرح یہ بھی بتایا کہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل ہوا، اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل ودماغ میں محفوظ کرنا اور آپؐ کی زبان پر جاری کرنا اللہ نے اپنے ذمے لیا ہے اور پھر یہ بیان بھی اسی خالق وسما کی طرف سے آیا ہے، ملاحظہ ہو: الرحمٰن: ۱ تا ۴، القیامہ: ۱۶ تا ۱۹۔ نیز قرآن کا بیان، یعنی معانی ومطالب اُسی ہستی پر نازل ہوئے جس پر قرآن نازل ہوا پس قرآن کو صاحب قرآن سے جدا کر کے سمجھا نہیں جا سکتا۔

عہد نبوت اور خلافتِ راشدہ میں حافظِ قرآن کو قاریِ قرآن کہا جاتا تھا۔ لیکن اصطلاح کے فرق سے معنویت نہیں بدلتی۔ جھوٹے مدعیِ نبوت مسیلمہ کے ساتھ جنگِ یمامہ میں ۷۰ قراء اکرام شہید ہو گئے تو حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تحریری شکل میں جمعِ قرآن کی ضرورت کی جانب متوجہ کیا اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''اللہ نے اس حکمت کو سمجھنے کیلئے میرے سینے کو کھول دیا، جس کے لیے عمر کے سینے کو کھول دیا'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک حفاظت قرآن کا ایک معتمد ومستند ذریعہ اس کو حفظ کرنا تھا۔

حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قوم کی امامت وہ شخص کرے، جو سب سے عمدہ قراءت کرنے والا ہو اور اگر حُسن قراءت میں سب برابر درجے کے ہوں تو اُسے ترجیح دی جائے، جو سنت کا زیادہ علم رکھنے والا ہو، اور اگر اس میں بھی سب مساوی درجے کے ہوں تو اُسے مقدم کیا جائے جو بڑی عمر والا ہو، (سنن ترمذی: ۲۳۵)''۔ اگر قاری اور عالم کا ذکر الگ الگ آئے تو ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ دونوں ہم معنی ہیں، لیکن جب ایک ہی عبارت یا مسئلے میں بالمقابل آئیں تو پھر دونوں کے معنی میں تفاوت ہوگا، جیسا کہ سورہ حجرات: ۱۱ میں ایمان اور اسلام کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے، تو ان میں معنوی فرق ہوگا، ورنہ عام طور پر ہم معنی استعمال ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا انتظام اپنے ذمے لیا ہے، فرمایا: ''بے شک ہم نے ذکر (قرآن) اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں (الحجر ۱۵: ۹) عالم اسباب میں حفاظت قرآن کریم کے دو ذرائع ہیں: تحریری صورت میں محفوظ کرنا یا ذہن میں محفوظ کرنا۔ آج کل آڈیو وڈیو ریکارڈنگ بھی اس کا ایک ذریعہ ہے، لیکن یہ ظاہری چیزیں کسی حادثے یا آفت کے نتیجے میں امکانی طور پر تلف ہو سکتی ہیں، لیکن ذہنوں میں جو امانت محفوظ ہے، وہ تلف نہیں ہوتی۔

حفاظت کا یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے دیگر الہامی کتابوں اور صُحُفِ انبیائے کرامؑ کے بارے میں نہیں فرمایا۔ شاید اس کی حکمت یہ ہو کہ اُن کتابوں کی شریعت ایک محدود زمانے کے لیے تھی اور قرآن کریم کی شریعت تا قیامت جاری وساری رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے تحریف سے محفوظ رکھا، فرمایا: ''اس میں باطل کی آمیزش نہیں ہو سکتی نہ سامنے سے اور نہ پیچھے سے، یہ اُس حکمت والے کی نازل کی ہوئی کتاب ہے جو ہر تعریف کے لائق ہے، (حم سجدہ ۴۱: ۴۲)''۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ

تعالیٰ نے حفظ ہو جانے کی آسانی کو سورہ قمر: ۱۷ میں وصف کمال کے طور پر بیان فرمایا ہے، اور سورہ اعلیٰ: میں فرمایا: ''ہم عنقریب آپ کو پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے''۔

اسی طرح فرمایا: ''کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے، اگر یہ (قرآن) اللہ کے سوا کسی اور کے پاس سے آیا ہوتا تو یہ اس میں بہت اختلافات پاتے (النساء ۴:۸۲)''۔ کیا یہ قرآن میں غور فکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں (محمد ۴۷:۲۴)''۔ ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور فکر کریں (الحشر ۵۹:۲۱)''۔ اور ہم لوگوں کے لیے ان مثالوں کو بیان فرماتے ہیں اور ان مثالوں کو صرف علما سمجھتے ہیں (العنکبوت ۲۹:۴۳)''۔ قرآن نے واضح طور پر بتایا: بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور اگردش لیل ونہار میں عقل مندوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں، جو کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور کروٹوں کے بل لیٹے ہوئے اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدایش میں (مستور حکمتوں پر) غور فکر کرتے رہتے ہیں (اور کہتے ہیں:) اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ (کارخانہ قدرت) بے مقصد پیدا نہیں کیا تو (ہر عیب سے) پاک ہے سو ہمیں عذاب جہنم سے بچا (ال عمران ۳:۱۹۱) پس قرآن کے معانی و مطالب کو سمجھنے میں اپنی عقلی اور فکری صلاحیتوں کو استعمال کرنا مقصد نزول قرآن کا منشا ہے اور اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔

رہا یہ سوال کہ آیا معنی سے ناواقفیت کے باوجود تلاوت قرآن کریم دین کو مطلوب ہے اور یہ سعادت ہے تو قرآن میں تلاوت کا ذکر بھی بطور مدح فرمایا: اے چادر اوڑھنے والے! رات کو قیام کیا کیجیے مگر تھوڑا آدھی رات تک یا اس سے کچھ کم یا (اگر اس سے آپ کی طبیعت سیر نہ ہو تو) اس سے کچھ زیادہ کیجیے اور قرآن کو ٹھیر ٹھیر کر پڑھیے (المزمل ۷۳:۱-۴) ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ترتیل یعنی ٹھیر ٹھیر کر پڑھنے کا تعلق تلاوت سے ہے نیز فرمایا: (کامل) مومن وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات پڑھی جائیں تو ان کے ایمان کو تقویت ملتی ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں (الانفال ۸:۲)

مضمون نگار عرفان شہزاد صاحب کی فکر کا مطلب یہ ہے کہ: اگر کسی کو قرآن کے معانی اور مطالب نہیں آتے تو محض تلاوت بے سود ہے''، حالانکہ کروڑوں کی تعداد میں مسلمان معانی کو نہیں جانتے لیکن نماز میں تلاوت کرنے کے وہ بھی یکساں طور پر پابند ہیں شاید اسی فکر کا نتیجہ تھا کہ پاکستان کے سابق صدر ایوب خان کے دور حکومت (۱۹۵۸-۶۹ء) میں ایک دانش ور ڈاکٹر فضل الرحمان نے کہا تھا: ''نماز میں معنی جانے بغیر قرآنی آیات کی تلاوت بے سود ہے، اردو میں ترجمہ پڑھا جائے''

اللہ تعالیٰ نے البقرہ ۲:۱۲۹ میں دعائے ابراہیمی کی صورت میں، آل عمران: ۱۶۴ میں بطور احسان، اور الجُمعہ ۲: میں حقیقت واقعی یا مظہر شان باری تعالیٰ کی صورت میں فرائض نبوت کو بیان فرمایا اور اس میں تعلیمی کتاب وحکمت کو الگ

فریضہ نبوت بتایا اور تلاوت آیات قرآنی کو مستقل بالذات فریضہ نبوت بتایا۔

احادیث مبارکہ میں تلاوت کا مقصود بالذات اور باعث اجر عظیم ہونا بہت واضح ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(قیامت کے دن) قاری قرآن سے کہا جائے گا: جس طرح تم دنیا میں ٹھیر ٹھیر کر قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے، اب بھی اُسی ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھو اور جنت کے درجات کو طے کرتے جاؤ، کیونکہ تمھارے درجات کی ترقی کا سلسلہ وہاں جا کر ختم ہوگا، جہاں (دنیا میں کی گئی مقدار) تلاوت کا سلسلہ ختم ہوگا'' (سنن ترمذی: ۲۹۱۴) حدیث قدسی میں فرمایا: ''جسے قرآن میرے ذکر اور مجھ سے سوال کرنے سے مشغول رکھے (یعنی کثرت تلاوت کی وجہ سے ذکر و دعا کا موقع بھی نہ ملے) تو میں اسے (بن مانگے) سوال کرنے والوں سے زیادہ اتا کروں گا'' (سنن ترمذی: ۲۹۲۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی سے فرمایش کر کے تلاوت سنی بھی ہے اور صحابی کو سنائی بھی ہے تاکہ تلاوت کرنا اور سننا دونوں سنت رسول قرار پائیں۔ حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے فرمایا: مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ (وہ بیان کرتے ہیں): میں نے عرض کیا: میں پڑھوں اور آپ سنیں، حالانکہ قرآن آپ پر نازل ہوا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ میں دوسرے سے تلاوت قرآن کو سنوں، پس میں نے آپ کے سامنے سورۃ النساء کو پڑھنا شروع کیا، حتیٰ کہ میں اس آیت [۴۱] پر پہنچا، [ترجمہ: ''اے حبیب مکرم! وہ کیسا منظر ہوگا جب ہم ہر اُمت پر (تبلیغ حق) کے لیے (اُس عہد کے نبی کو) گواہ کے طور پر لائیں گے اور پھر آپ کی گواہیوں کی (توثیق کے لیے) لائیں گے''] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رک جاؤ۔ میں نے اچانک) نظریں اٹھا کر دیکھا تو) آپ کی آنکھوں سے [بطور تشکر] آنسو بہہ رہے تھے [کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان کو بیان فرمایا]، (بخاری: ۴۵۸۳)''۔

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُبی بن کعبؓ سے فرمایا: اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں قرآن پڑھ کر سناؤں'' اُبی بن کعبؓ نے عرض کیا: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو میرا نام لے کر فرمایا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں اللہ تعالیٰ نے تمھارا نام لیا ہے''۔ اُبی بن کعبؓ (فرطِ مسرت سے) رونے لگے۔ قتادہ کہتے ہیں: مجھے بتایا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سورۃ البینہ پڑھ کر سنائی، (بخاری: ۴۹۶۰)''۔

احادیث مبارکہ میں ہے: ''(۱) حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن کو اپنی (شیریں) آوازوں سے مزین کرو، (ابوداؤد: ۱۴۶۸)''۔ اسی طرح بیان کرتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: اپنی آوازوں سے قرآن میں حسن پیدا کرو، کیونکہ اچھی آواز سے قرآن کی خوب صورتی کا تعلق نہیں ہے۔

حضرت حذیفہ بن یمانؓ بیان کرتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن کو اہل عرب کے لہجے اور آوازوں میں پڑھو اور یہود و نصارا اور فاسقوں کے لہجے میں نہ پڑھو، کیونکہ میرے بعد عنقریب ایسی قوم ائے گی،

جو گویّوں، راہبوں اور نوحہ خوانوں کے طرز پر قرآن کو بار بار لوٹا کر پڑھیں گے، قرآن کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، ان کے دلوں کو آزمائش میں ڈال دیا گیا ہے اور جو لوگ انہیں سن کر ان کی تحسین کرتے ہیں، ان کے دلوں کو بھی آزمائش میں ڈال دیا گیا ہے، (**المعجم الاوسط: ۷۲۲۳**)''۔یعنی قرآن کریم کی تلاوت خشوع وخضوع سے کرنی چاہیے، اس سے روح کو قرار وسکون ملنا چاہیے، اسے محض لذتِ سماع کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے۔

الغرض، شیریں کلامی ہی قرآن کا مقصود مُدعا نہیں ہے، حدیث میں فرمایا: ''حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قراءت وحفظ قرآن میں ماہر ہے، اُس کا انجام معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو قرآن پڑھتا ہے اور (زبان میں لکنت کے باعث) اٹک اٹک کر دشواری سے پڑھتا ہے، تو اس کے لیے دہرا اجر ہے'' (مسند احمد: ۲۶۲۹۶)۔یعنی تلاوت قرآن کریم بالذات مقصود بھی ہے اور اللہ کے ہاں اجر کا باعث ہے۔

اگر قرآن کو صرف مطالب اور احکام کے جاننے تک محدود رکھا جائے، تو یہ قانون کی ایک کتاب بن کر رہ جائے گی۔حالانکہ کوئی شخص معانی نہ سمجھنے کے باوجود اسے اللہ کا کلام سمجھ کر پڑھتا یا سنتا ہے تو اس کا دل بھی روحانی کیف وسرور سے معمور ہو جاتا ہے اور اس کے دل پر اللہ کی جلالت طاری ہوتی ہے، خود قرآن کے کلمات اس پر شاہد ہیں کہ دل پر اللہ کی ہیبت طاری ہوتی ہے۔لہذا، تلاوت کی اہمیت کو کم کرنا، یا کم تر سمجھنا تعظیم وحرمت قرآن کے کم کرنے کا سبب بنے گی اور سعادت تلاوت کے اجر سے محرومی کا باعث بنے گی۔پھر تو لوگ قرآن کریم کے کلمات مبارکہ کو چھوڑ کر اردو تراجم میں محو ہو جائیں گے، جب کہ اس پر امت کا اتفاق ہے کہ اردو ترجمہ قرآن کا معنی ضرور ہے، لیکن یہ اللہ کا کلام نہیں ہے اور نہ اُن برکات کا حامل ہے جو کلام الٰہی کے لیے قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں بیان کی گئی ہیں۔

جو حضرات قرآن کا مقصود صرف اس کے معنی یا ترجمہ جاننے تک محدود رکھتے ہیں، اُن کے نزدیک قرآن کو چھونے کے لیے باوضو اور پاک ہونا بھی ضروری نہیں ہے اور وہ سورۃ الواقعہ کی ان آیات کا وہ معنی مراد نہیں لیتے، جو جمہور علمائے امت نے مراد لیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''بے شک یہ بہت عزت والا قرآن ہے، محفوظ کتاب میں، اسے نہ چھوئیں مگر باوضو (الواقعہ: ۷۷۔۷۹)''۔یعنی قرآن مجید کو چھونے کے لیے حَدَثِ اصغر (بے وضو ہونے) اور حدَثِ اکبر (جنابت) دونوں سے پاک ہونا چاہیے۔حدیث پاک میں اس کے معنی یہی بیان کیے گئے ہیں: ''قرآن کو نہ چھوئیں مگر باطہارت لوگ، (موطا امام مالک: ۲۳۴)''۔

میرا افسانہ

قسط:۱۳

مفکرِ احرار چودھری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ

ہماری کمزوریاں:

میرے اس غریب خانے میں بکثرت موش خانے تھے۔ اس مختصر گھر میں ہمیشہ چوہے قلابازیاں کھاتے۔ کبھی ایسی بے تکلفی برتتے کہ چھاتی پر چڑھ آتے۔ کچھ ایسے نڈر کہ کمبل اٹھا کر گود میں اچھلتے۔ آخر جانتے تھے کہ قیدی ہے کیا کر لے گا۔ ان کی شوخی ایسی بڑھی کہ بوٹیاں نوچنے کی نوبت آئی۔ ایک رات میں ہاتھ سرہانے دیئے لیٹا ہی تھا کہ انگلی کاٹ کھائی۔ سانپ سنپولیے کے شبہ میں دھڑ دھڑا کر اٹھا۔ ہاتھ میں جوتا لیا اور بستر کمبل الٹا سیدھا کیا۔ دل میں بڑا تردد کہ بس بری بلا ہے۔ مگر فکر و تردد کے اس پہاڑ کو کھودا تو چوہیا نکلی۔ ہر صبح اٹھ کر ان کی سوراخ بندی میرا فرض ہو گیا۔ چوہوں سے جان میں جان آئی۔ تو گلہری نے ستانا شروع کیا۔ مجھے دوپہر کے قیلولہ کی عادت تھی۔ شاید آنکھ پر گلہری آنکھ لگائے رہتی کہ پلک لگتے ہی میرے چرخہ کی مابل گلوٹے کاٹ کر تونبہ تونبہ کر دیتی۔ محنت رائیگاں دیکھ کر میرے دل کے ٹکڑے ہو جاتے تھے۔ گلوٹے تو میں سینے سے لگا کر سو جاتا۔ مگر چرخہ کو کہاں چھپاتا۔ یہ چھیڑ چھاڑ کئی دن جاری رہی۔ میں عدم تشدد کا حامی ہونے کی وجہ سے ہاتھ نہ اٹھاتا۔ مگر گلہری نے میرا ناک میں دم کر دیا۔ تنگ آمد بجنگ آمد ایک دن جھوٹ موٹھ ہاتھ میں جوتا لے کر سو گیا۔ گلہری دبے پاؤں آئی اور کارستانی شروع کر دی۔ میں نے آنکھ بچا کر جوتا اچھالا پہلے تو لوٹ پوٹ ہو گئی۔ پھر چڑ چڑاتی بھاگی۔ ایک کھا کر پھر رخ ادھر نہ کیا۔ اس طرح عذاب سر سے ٹلا۔ اگرچہ اس جیل میں مچھر میرے گناہوں سے بھی زیادہ تھے۔ خورا کی عنایت کہو یا مچھروں کی نظر کرم۔ کہ میرے جسم کو انہوں نے خوان یغما نہیں بنایا۔ بناتے بھی کیا۔ نہ میری ہڈی نہ بوٹی نہ جسم میں قطرہ خون۔ جب اور موٹے موٹے سیاسی قیدی قید تنہائی میں چند تنگ آ جایا کرتے تھے۔ نہ جسم پر نگاہ رکھیں تو مچھر کھائیں۔ کمبل اوڑھیں تو مارے گرمی کے نیند نہ آئے۔ ہر ایک تنہائی میں ڈالے ہوئے قیدی پر ایک دستی پنکھے کی مہربانی سرکار سے ہوتی ہے کہ ہوا کوٹھڑی میں قسمت سے پہنچی ہے۔ ساری رات ہائے وائے کر کے اور پنکھا کرتے کٹتی ہے۔

برسات: برسات یوں تو برسا برس آتی ہے۔ مگر اس برس برسات کا رنگ اور تھا۔ کوٹھڑی میں پڑے گرمی نے جلا کر جان کباب کر دی تھی۔ ناگاہ گھٹا زلف یار سے زیادہ سیاہ۔ ایک ادا سے ٹھنڈی ہوا کا شانہ پکڑ کر اٹھی اٹھکیلیاں کرتی بڑھی۔ مصحف عالم پر چھائی۔ بادل سے ہنسی بارش کے موتی زمین کے دامن پر گرے۔ گرد و غبار سے آلود برگ شجر نہائے نکھرے۔ قیدیوں کی قسمت نے خوشگوار پلٹا کھایا۔ میٹھا منہ لگے مہینے گزر گئے تھے۔ آم کی بہار تھی، ایک دن میرا جی آموں کو للچا رہا تھا۔ گھٹا اٹھی برسی۔ بادل کھل گیا۔ میری کوٹھڑی کے سامنے نیم کا درخت تھا۔ نمولیاں بارش سے نہا کر پتوں میں

چھپی ایسی معلوم ہو رہی تھیں۔ گویا کوئی حسین سیر چلمن کے پیچھے کھڑا جھانک رہا ہے۔ میں بیتابی میں بڑھا۔ منہ لگاتے ہی مزے میں آم کو بھولا۔ جب تک موسم رہا نمولیاں سے منہ ملاحظہ رہا۔ روٹی بھی نمولیاں کے ساتھ کھاتا اور بغیر اس کے کھانے کا مزا نہ آتا۔ میری دیکھا دیکھی اوروں کو بھی شوق ہو گیا۔ سوائے افسران کی آمد کے وقت کے سارا دن قیدی نمبردار ملازم درخت کے گرد رہتے ہیں۔ نمولیاں گویا جیل کے آم تھے۔ کہ ساری برسات منہ سے نہ چھوٹیں۔

ایک عجیب اتفاق: قیدی پولیس افسر کی درگت جو جیل میں ہوتی ہے۔ اس کو خدا ہی جانتا ہے۔ کون قیدی ہے جس کا افسرِ پولیس کی شکل دیکھ کر ہاتھ نہیں کھجلاتا۔ اور بیچارے کی چندی پر چپت نہیں جماتا۔ گالیوں کا تو ذکر ہی کیا۔ گال مار مار کے لال کئے جاتے ہیں۔ دانوں کی بوریاں اٹھوائی جاتی ہے۔ بوجھ برداشت سے زیادہ ہوتا ہے۔ بوری گر جاتی ہے۔ نگران کار قیدی جوتا اتار کر دھڑ ادھڑ سو گنتا ہے۔ جب ننانوے پر پہنچتا ہے تو جان بوجھ کر گنتی بھول جاتا ہے۔ پھر ایک دو سے گنتی شروع کر دیتا ہے۔ جو اس طرح انتقام پورا نہیں ہوتا۔ تو منہ میں جوتے دیئے جاتے ہیں۔ جس سب انسپکٹر کا پیٹ بڑھا ہوا۔ اس پر لاتیں مار مار کر کہتے ہیں کہ اس میں ہمارے تمام گاؤں کے مرغے جمع ہیں۔ کوئی ادھر آتا تھپڑ لگاتا ہے۔ کوئی ادھر جاتا مُکا رسید کرتا ہے۔ مونچھوں کو پکڑ کر جیل بھر میں کھینچے پھرتے ہیں۔ دست بدست دیگرے پا بدست دیگرے۔ جھلاتے ہیں اور جھولا جُھلا کر پتھر کی طرح پرے پھینک دیتے ہیں۔

خدا کا احسان ہے۔ کہ میں جیل میں دوسرے رنگ میں موجود تھا۔ ورنہ کیا جانے کیا بیتی۔ ایک روز انبالہ جیل میں، میں بھی غلطی کا شکار ہونے لگا تھا۔ فیروز پور جیل سے ایک ٹولی قیدیوں کی آئی۔ ان کے کان میں کہیں بھنک پڑی کہ ایک تھانیدار یہاں قید ہے۔ ان کی صلاح ہوئی کہ چلو چل کر دستور پورا کریں۔ کسی پرانے قیدی کو خبر لگی تو اس نے روکا کہ وہ اب سرکاری تھانیدار نہیں رہا، اب ہمارا تھانیدار ہے۔ یہ خبر پا کر سب میرے پاس آئے اور پاؤں چھوئے کہ اگر معاملہ کا پتہ نہ لگ جاتا تو آج بے ادبی ہو جاتی۔

اس کے چند روز بعد لاہور سے نئے نمبرداروں کا چالان آیا۔ ایک دن میں کوٹھڑی میں بند تھا۔ باہر تالا لگا ہوا تھا۔ ایک کالی والا آیا۔ پوچھا کہ آپ نے مل سنگھ وغیرہ کا ڈاکہ میں چالان بھی کیا تھا؟۔ میں چونکا کہ الٰہی خیر! اس ذکر کے کیا معنی؟ اور پوچھے بغیر میں نے اپنی صفائی پیش کرنی شروع کر دی۔ اس پر اس نے کہا کہ مل سنگھ نمبردار ہو کر آیا ہے۔ آپ کو کل ملنے آئے گا۔ تمام دن بے چینی میں گزرا اور رات بھر نیند نہ آئی۔ میری تشویش بے جا نہ تھی۔ اس شخص کو میں نے معہ اس کے چھ رفقا کے ڈکیتی میں چالان کیا تھا۔ اور سوائے سرگردہ کے جس کو ۳۳ سال سزا ہوئی۔ سب پانچ پانچ سال سزا میں قید ہوئے۔ میں سمجھا کہ میری شامت اس کو یہاں نمبردار بنا لائی ہے۔ بے تعلق سب انسپکٹر قیدی کا وہ حال ہوتا ہے جو میں نے بیان کیا۔ اس سب انسپکٹر کی بدقسمتی کا کیا ذکر جس کے سر پر وہ نمبردار ہو کر آئے جسے اس نے سزا دلائی ہو۔ میرا الہواس کی آمد سے اس طرح خشک ہو رہا تھا۔ جس طرح قصاب کے خیال سے بکرے کا۔ دو دن کے دھڑ کے نے جان کھالی۔ یک بیک مل سنگھ سامنے آتا دکھائی دیا۔ حلق خشک اور لب پر پپڑی جم گئی۔ جسم کو کاٹو تو قطرہ خون نہ تھا۔ وہ میرے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

میں اس کو دیکھ کر خاموش۔ وہ مجھ کو دیکھ کر چپ۔ میں اس کے ہاتھوں کو دیکھتا تھا کہ کب اٹھتا ہے۔لیکن اس کبریا کی شان دیکھیے جس سے بدی کا احتمال قوی تھا۔اس نے اپنا سر میرے پاؤں پر رکھ دیا۔آنکھوں میں آنسو بھرلایا۔آپ کا کیا سے کیا حال ہوگیا۔

میرے ساتھ اتنی عقیدت ہوگئی کہ اپنی رائے کے مطابق وہ جیل میں جو امکانی خدمت کرسکتا تھا کرتا۔ابتدا میں دودھ چرا چرا کر میرے لئے لاتا۔اور اصرار کرتا کہ ضرور پی لیں۔ پیاز جو جیل خانہ میں بہترین نعمت تصور کیا جاتا ہے۔آنکھ بچا کر لنگر خانہ سے اٹھالاتا کہ روٹی کے ساتھ کھائیں۔جیل کی روشوں سے پھول توڑ توڑ کر لایا کرتا۔اسے خیال نہ تھا کہ چوری جرم ہے۔اس لئے اول میرا انکار اس کی دل شکنی کا باعث ہوا۔مگر جب میں نے اس کے جرم اور ذمہ داری کی وضاحت کی۔تو اس کی عقیدت بیش از پیش ہوگئی۔

داس کی موت اور بھگت سنگھ کی پھانسی:

محکموں میں پولیس اور جیل پر میں نے بے رحمانہ مگر مبنی برانصاف نکتہ چینی شروع کی۔ابتدا میں عملاً حکومت نے تندی سے کونسل میں مقابلہ کیا بعد میں ہتھیار ڈال دیے۔غیر سرکاری ممبران کونسل کی جیل کمیٹی کا تقرر منظور کر کے قیدیوں کی اصلاح کی عمدہ ابتدا کردی۔ میں نے جیل کمیٹی میں منتخب ہوکر پورے سات برس جیل کو گھر بنائے رکھا۔اور قید خانے کے حالات کے علاوہ قیدیوں سے بھی واقفیت حاصل کی۔

قید کی حیثیت سے صبح وشام ہندو اور سکھ اہل وطن کے ہاتھوں روٹی کی تقسیم پر جو ذلت ہوتی تھی۔اس سے مسلمان محبان وطن بجا طور پر برافروختہ تھے۔ ہندو اور سکھ لانگری ''کتے'' کی طرح دور سے روٹی پھینکتے تھے۔مسلمان انکے قریب آیا یا کپڑا چھوا نہیں تو قیامت آئی نہیں۔ دور عدم تعاون سے قبل جیلوں میں یہ سلوک بھی دوقوموں کی بڑی بڑی لڑائیوں کا باعث تھا۔

ہندو سیاسی طور پر خواہ کتنا اشتراک عمل کا مدعی ہو۔لیکن اقتصادی اور معاشرتی طور پر وہ من حیث القوم تنگ دل اور تنگ نظر ہے۔میں نے جیل کمیٹی میں ہندو مسلم قیدیوں کے سر پھٹول کے بواعث بیان کرتے ہوئے ہندو مسلم لنگر علیحدہ کرنے پر زور دیا۔تا کہ اس معاملہ میں تصادم کا موقعہ ہی نہ آئے۔حکومت نے با کراہ اس کو منظور کیا اور پورے چھ برس اسی ایک اصلاح کی تکمیل میں لگے۔

بیلوں کی بجائے قیدیوں سے کنواں خراس چلانے پر مجھے سخت اعتراض تھا۔بمشکل حکومت اس اصول کو مانی۔ جیل خانوں میں لائبریریاں جاری کرنے، بڑی عمر کے قیدیوں کیلئے سکول کھولنے پر متواتر زور دیا۔ اخلاقی تعلیم اور دوسرے اصلاحات کے متعلق حکومت کو مسلسل توجہ دلائی۔گڑ اور گندم کی روٹی جیل میں فضول خرچی سمجھی جاتی تھی۔ بڑے قضیے کے ساتھ اس کی منظوری ملی۔اُس زمانے اور اِس وقت کے جیلوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے پرانا سٹاف تمام کا تمام بدل دیا گیا۔محکمہ عدل وانصاف کے افسر جیلوں کے سپرنٹنڈنٹ لگائے۔اس انقلاب حال نے پنجاب کے جیلوں کی کایا

پلٹ دی۔ سات برس تک میں نے اپنے قلم سے جیل کی اصلاحات کے لیے جیل کے سرکاری رجسٹروں پر اتنی رپورٹیں لکھی ہیں۔ کہ اس سے ایک دفتر تیار کرسکتا ہے۔ لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ میرے جیل میں داخلہ کو امن عامہ کے خلاف سمجھا گیا۔

اخلاقی قیدیوں کی قسمت میں تو خوشگوار انقلاب آیا۔ لیکن سیاسی قیدیوں کے ساتھ منتقمانہ سلوک جاری رہا۔ ہندوستان عجب ملک ہے۔ یہاں کے غلام اپنے آقاؤں سے زیادہ ہندوستان کی آزادی کے دشمن ہیں وہ ہر اس ہاتھ کو مفلوج کر کے خوش ہیں۔ جوان کی زنجیریں کاٹنے کی سعی کرتا ہے۔ جیل کے اکثر ملازمین سیاسی قیدیوں کی دل آزاری میں خوشی حاصل کرتے تھے۔ ہر سیاسی قیدی ذلت تو محسوس کرتا تھا۔ لیکن جیل کی زندگی گاندھی کے نزدیک جبر وصبر کی زندگی تھی۔ اس لئے ہر قیدی راضی برضا رہتا تھا۔

یک بیک عدم تشدد کی پرسکون فضا میں تلاطم پیدا ہوگیا۔ کچھ نوجوانوں نے اسمبلی ہال میں بم گرا کر ملک میں ہنگامہ بپا کر دیا۔ یوں تو ہر نوجوان انقلاب پسند ہوتا ہے لیکن غلام ملک میں اس کے محرکات قوی ہوتے ہیں۔ ملک کی دولت لوٹنے اور اہل ملک کو ذلیل ہوتے دیکھ کر بوڑھے اور بزدل آہیں بھرتے ہیں۔ نوجوان اور جری کچھ کر بیٹھتے ہیں۔

سائمن کمیشن میں کسی ہندوستانی کو شریک نہ کر کے انگریزی حکومت نے ہندوستان کی سیاسی بیچارگی کا اعلان کیا۔ جس کے معنی یہ تھے۔ کہ انگلستان ہندوستان کی ۲۴ کروڑ بھیڑ بکریوں پر اپنی مرضی کے مطابق حکمرانی کریگا۔ انہیں کمیشن سے باہر رہ کر بے معنی فریاد کا حق ہے۔ لیکن آئین کی تشکیل میں ہندوستان کو دخل نہ ہوگا۔

ہندوؤں اور مسلمانوں نے سائمن کمیشن کے خلاف مظاہرے کیے۔ ان مظاہروں کے درمیان لالہ لاجپت رائے ایک انگریز افسر کی لاٹھی کی ضرب سے چند دن کے بعد مر گئے۔ پنجاب میں خاصا شور ہوا۔ بے ہتھیار ہندوستان نے زبان ہلا کر صبر کیا۔ لیکن ایک سال بعد سانڈرس کو دن دہاڑے نوجوانوں نے پستول سے چلا کر ہلاک کر دیا۔ سی آئی۔ ڈی بارود سونگھتی پیچھے دوڑی۔ مگر وہ مفرور ہوگئے۔

یہ ہندوستان ہے۔ ہندوستان میں پھر پنجاب، یہاں لوگ سازش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ سازش کیلئے رازداری کی ضرورت ہے۔ باتونی لوگ بک بک نہ کریں تو کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ بات کو ہضم کرنا بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ ہندوستان عام طور پر گفتار کا غازی ہے۔ پنجابی بے شک کردار کا غازی ہونے کا مدعی ہے۔ لیکن لٹھ پہلے مارتا ہے۔ سوچتا بعد میں ہے۔ جب نتیجہ کو سوچتا ہے۔ تو جلدی گھبرا جاتا ہے۔ سیاسی سازشوں میں وہ شریک ہو جو خوب سوچے اور خطرناک نتائج کی ذمہ داری کو قبول کرے۔

ہندو نوجوانوں نے سازش کی سانڈرس کو حوصلے سے قتل کیا۔ لیکن سال بعد راز طشت از بام ہوا۔ کچھ سرکاری گواہ بن گئے۔ باقی دھر لئے گئے۔ اسمبلی میں بم کے دھماکے سے جو شور اٹھا۔ مدت تک اس کی صدائے بازگشت شہر کے گلی کوچوں سے آتی رہی۔ بھگت سنگھ اور دت کا نام اتنا اچھلا کہ گاندھی جی کا ستارہ غروب ہوتا نظر آیا۔ فضاؤں میں تشدد کی برچھیاں تیرتی دکھائی دیں۔ عدم تشدد کا فلسفہ مضحکہ خیز سا معلوم ہونے لگا۔

بھگت سنگھ اور دت تو پہلے ماخوذ تھے۔ اب سانڈرس کیس کے جملہ میں ملزمین بجولاں ہوکر لاہور جیل میں جمع ہوگئے۔ سب ملزم تعلیم یافتہ نوجوان تھے۔ زندگی کی بازی تو ہار چکے تھے۔ جیل کے سلوک نے انہیں اور برافروختہ کر دیا۔ زندگی سے مایوس شخص برفروختہ ہوکر کیا کچھ نہیں کر بیٹھتا۔ انہوں نے سمجھا جب مرنا ہے تو پھر موت سے کیا ڈرنا۔ جیل میں بہتر سلوک کے مطالبہ کی بنا پر بھوک ہڑتال کا اعلان کر دیا۔ حکومت معاملہ کی پیچیدگی کو سمجھتی تھی۔ کہ قتل کے ملزم آمادۂ قضا ہیں۔ بات آسانی سے نہ ٹلے گی۔ گورنمنٹ کا میرے نام اچانک تار آیا۔ کہ جیل میں تحقیقاتی کمیٹی کی ممبری قبول کر کے اطلاع دو۔ میں نے منظوری سے پہلے دوستوں کا مشورہ ضروری سمجھا۔ دوسرے دن پھر دوسرا تار آیا۔ دوستوں نے حکومت کی اس دعوت کو قبول کر لینے کا مشورہ دیا۔

چونکہ میرے جیل کا معائنہ کرنے پر پہلے ہی کوئی پابندی نہ تھی۔ اس لئے جیل تحقیقاتی کمیٹی میں شمولیت سے قبل میں نے سمجھا کہ ماخوذ نوجوانوں کے نقطہ نظر کو معلوم کرلوں۔ اگرچہ بھگت سنگھ کو میں نہ جانتا تھا۔ لیکن اس نے مجھے جاتے ہی پہچان لیا۔ وہ اس وقت خود اپنے مطالبات ضبط تحریر میں لانے میں منہمک تھا۔ میں نے چاہا کہ علیحدگی میں اس کا زاویۂ نگاہ معلوم کروں لیکن سپرنٹنڈنٹ جیل میں جو میرے ہمراہ تھا، مزاحم ہوا۔ میں نے صرف علیحدہ ملنے پر اصرار کیا۔ میرے اصرار کے باوجود سپرنٹنڈنٹ نے انکار کیا۔ میں نے دفتر میں آکر ہوم سیکرٹری کو ٹیلیفون کے ذریعہ کیفیت بیان کی۔ اس نے سپرنٹنڈنٹ کو میرے علیحدہ ملنے کی ہدایت کر دی اور یہ بھی کہہ دیا کہ میں ہر سیاسی اسیر سے علیحدہ مل سکتا ہوں۔

بھگت سنگھ نے کہا ہم یہ سیاسی قیدی ہیں۔ متمدن دنیا میں سیاسی قیدیوں کے ساتھ چور اور ڈاکو کا سلوک نہیں کیا جاتا۔ لیکن یورپین چور اور بدمعاش بھی مزے اڑاتا ہے۔ اور محبّ وطن جیل کے دن بری حالت میں پورے کرتے ہیں۔ اس کا دوسرا ساتھی دت کم گو مگر پختہ خیال نوجوان تھا۔ وہ کئی روز سے بھوکا تھا۔ میز پر کئی پھل دھرے تھے۔ تاکہ سوندھی خوشبو سے منہ میں پانی بھر آئے۔ ایک قصہ مشہور ہے کہ ایک ہوشیار شخص نے ایک خدا کے نیک بندے کو ایک سفر میں حیلے اور بہانے سے بھوکا رکھ کر دل پسند کھچڑی تیار کی۔ جس کی بو باس سے بے قابو ہوکر نیک بندے نے اپنی نیکی کھچڑی کے عوض بیچ دی۔ شاید افسران کا خیال ہو کہ ان نوجوانوں کا دل بھی عمدہ پھلوں کے خوشنما چھلکوں پر پھسل جائے گا اور اپنے ارادوں کو ارزاں فروخت کر کے معاملہ ختم کر دیں گے۔ سنٹرل جیل سے رخصت ہوکر بورسٹل جیل پہنچا وہاں سانڈرس کیس کا سب سے کم عمر ملزم مسٹر داس بھوک ہڑتال سے کمزور معلوم ہوتا تھا۔ میں نے ہر چند چاہا کہ کم از کم یہ اس امتحان میں شامل نہ ہو۔ اس نے کہا یہ عزم موت تک نبھاؤں گا۔ اس کی بھوک ہڑتال نے غیر معمولی طول کھینچا۔ جب جیل کی مقرر شدہ کمیٹی معزز گواہوں کے بیانات لے رہی تھی۔ اس وقت سرکاری طور پر خبر پہنچی کہ بھول ہڑتالیوں کی حالت نازک ہوگئی ہے۔ میں نے تجویز پیش کرنی چاہیئے۔ انگریز ممبران آمادہ نہ تھے۔ ہندوستانی البتہ متفق تھے۔ گورنر نے ہندوستانی ممبران سے اتفاق کیا جب ہم لاہور پہنچے تو معلوم ہوا کہ بعض ہڑتالیوں کی حالت دگرگوں ہو چکی ہے۔

انسان کی نیکی اس کی خود غرضی پر مبنی ہے۔ اکثر وہ دوسروں سے حسن سلوک اس لئے کرتا ہے تاکہ اس سے بد

سلوکی نہ ہو۔ وہ جو دوسروں کی مصیبت زدہ کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے نیکی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے آسمانی صحفوں میں دوزخ اور جنت کا تکرار ہے تاکہ انسان میں بہتر رجحانات پیدا ہوں۔ جیل کمیٹی کے ممبران میں لالہ دونی چند انبالوی اور سردار بہادر مہتاب سنگھ تو ایسے تھے۔ جو میری طرح سابقہ سزا یافتہ تھے۔ ہمارا قدرتی میلان ہڑتالیوں کے حق میں تھا۔ دوسرے ممبر وقتی حالات کے ماتحت اسیران بلا سے ہمدردی پر مجبور تھے۔

ہڑتالی اسیروں نے ہماری اس استدعا پر کہ کھانا کھالیا جائے۔ باہم مشورہ کے بعد جواب دینے کا فیصلہ کیا۔ انسپکٹر جنرل جیل کمیٹی کا صدر تھا۔ پہلے وہ نہ مانا۔ پھر ہمارے متفقہ اصرار پر دت اور بھگت سنگھ کو سنٹرل جیل سے بورسٹل منتقل کیا گیا۔ سب کو سٹریچر پر ڈال کر بورسٹل جیل کے ہسپتال پہنچایا گیا۔ جیل کی تحقیقاتی کمیٹی نے شملہ جانے سے پہلے جیل کی مجوزہ اصلاح کا عام خاکہ تیار کرلیا تھا۔ جب اسے سیاسی اسیروں کو دکھایا گیا۔ تو ان میں سے بھگت سنگھ نے اس کی خامیوں کو بھانپ لیا اور ہم پر صاف طور سے واضح کر دیا کہ یہ خاکہ موجودہ صورت میں قطعی ناتسلی بخش ہے۔

میں اس اعلان پر خوش تھا لیکن تردد اس امر کے لیے تھا کہ وہ مزید بھوک ہڑتال سے جانبر نہ ہو سکتے تھے۔ انہیں زندگی اور موت کے متعلق جلدی فیصلہ کرنا تھا۔ احتمال تھا کہ ان کا حوصلہ جواب نہ دے جائے۔ اس کے علاوہ ہندوستانی ممبروں کی خواہ کمزوری کے باعث ہی کیوں نہ ہو۔ یہی رائے تھی کہ جان بچا لینی چاہیے۔ خواہ اس مشورہ کو ہماری بزدلی پر محمول کیا جائے۔ ہم نے انہیں بھوک ہڑتال ترک کرنے کا مشورہ دیا۔ انگریز انسپکٹر جنرل دوسرے اسباب کی بنا پر ہڑتال ترک کرانے کے لیے بے تاب تھا۔ تاکہ جرم ثابت ہو کر موت کی سزا پائیں۔

کیونکہ میں پورے سات برس جیل کی اصلاح سے متعلق رہا تھا۔ اور پنجاب کونسل میں سیاسی اسیروں کا ان تھک حامی تھا۔ اسیروں نے تخلیہ میں میرا مشورہ پوچھا۔ میں نے ان کے اعتماد کا شکریہ ادا کیا۔ لیکن مشورہ بھوک ہڑتال کے ترک کا دیا۔ انہوں نے کہا کہ جب مرنا ہے۔ تو مرنے سے کیا ڈرنا۔ میں نے کہا کہ ہرچند انگریزی سرکار برسرپیکار ہے۔ تاہم داناؤں نے کہا کہ: مترس از بلائے کہ شب درمیان است (اس بلا سے نہ ڈرو جس کے آنے میں ابھی ایک رات باقی ہے) پھر باہم مشورہ کے لیے انہوں نے چاہا۔ کمیٹی کے ممبر اور ملازمان جیل سب دور ہٹ گئے۔

نوجوان داس آنکھیں بند کئے سٹریچر پر پڑا تھا۔ اگرچہ زندگی کے دن گن رہا تھا۔ تاہم اجتماع کے مقصد سے بے خبر نہ تھا۔ جب وہ آنکھیں کھولتا تھا۔ ہاتھ سے ساتھیوں کو نفی کا اشارہ کرتا تھا۔ کہ بات نہ مانو۔ موت قبول کرلو۔ مجھے محسوس ہوتا تھا کہ داس امید کی سرحد سے پار ہو چکا ہے۔ میں نے ڈاکٹر سے پوچھا۔ کہ آیا یہ جانبر ہو سکتا ہے۔ اس نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا کہ ممکن ہے مگر یقینی نہیں۔ وہ جبری خوراک کے وقت بھی سخت مزاحمت کرتا رہا ہے۔ وہ پہلے ہی کمزور تھا۔ اب تو فاقہ نے موت کے منہ میں لاڈالا ہے۔ پہلی ملاقات جو آج سے ڈیڑھ ماہ قبل ہوئی تھی۔ اس وقت بھی میں نے اسے مہیا بقضا پایا تھا۔ اس وقت میرا دل تڑپتا تھا۔ کہ وہ کسی طرح بچ جائے۔

تین گھنٹے کی طویل گفتگو کے بعد بھگت سنگھ کا سٹریچر داس کے سٹریچر کے قریب لایا گیا۔ چونکہ بھگت سنگھ خود بھی

نحیف اور کمزور تھا۔اس نے اپنا منہ داس کے کان کے قریب لے جا کر کچھ کہا۔لیکن داس نے تیوری چڑھا کر ہاتھ نفی میں ہلا دیا۔

ہم سمجھ گئے کہ سب ترک فاقہ پر آمادہ ہوگئے ہیں۔لیکن داس اسی منزل پر بڑھے جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔اب ہم قریب آگئے۔داس کو خود سمجھانے لگے۔جب میں اس پر جھکا۔تو دیرینہ آشنا کو دیکھ کر ہلکا سا تبسم اس کے لبوں پر کھیلنے لگا۔زبان سے بولنے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔تاہم انکار کے معروف اشارے سے مجھے ناامید کر دیا۔

ہم پھر کمرے کے باہر آگئے۔تاکہ اس کے ساتھی ترک فاقہ پر اسے امادہ کرسکیں ایک گھنٹہ کے انتظار کے بعد اس کے ساتھیوں کے مایوس چہرے داس کے جواب کے آئینہ دار تھے۔ہم میں بعض اس امر پر اصرار کرتے تھے کہ داس جیل سے رہا کر دیا جائے۔میں نے کہا کہ کل تک تو وہ زندگی کی قید ہی سے رہا ہو جائے گا میں تو اس کی زندگی سے مایوس ہوں۔تاہم جو ہوتا ہے۔آج ہی ہو جائے۔ورنہ التجا کر کے بات بھی کیوں کھوئیں۔بہر حال بات کہہ کر گنوائی۔رہائی کی درخواست کی۔جو انسپکٹر جنرل نے حکومت کو شملہ بھیجی اور مسترد ہوئی۔ایک گونہ مجھے اطمینان ہوا۔اگر داس نے مرنا ہی ہے۔تو پھر حکومت کے سر ہی چڑھ کر مرے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا وہ دوسرے روز مر کر زندہ ہوگیا۔عاشق کے جنازے کی طرح اس کی ارتھی بڑی دھوم سے اٹھی۔لاہور سے کلکتہ تک ماتم کی لہر دوڑ گئی۔ایسا معلوم ہوتا تھا۔کہ اب حکومت کی خیریت نہیں۔لیکن یہ غلام ملک ہے یہاں کڑھی کی طرح ابال اٹھتا ہے۔اور پیشاب کی جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا ہے۔چند دن کے بعد کسی میں احساس تک نہ تھا۔کہ کون مرا اور کس طرح مرا۔کچھ عرصہ کے بعد بھگت اور اس کے رفقاء کو موت کی سزا ہوئی۔انگریزی قوم کی پیش بندیاں مشہور ہیں۔پھانسی کے متوقع ایام میں پہرے چوکی بڑھا دئے گئے۔پھر فضاؤں میں تشدد کے بادل منڈلانے لگے۔مال روڈ پر انگریزی عورتوں کی آمد و رفت کم ہوگئی۔عدم تشدد کے اوتار مہاتما گاندھی نے پبلک مطالبے سے متاثر ہو کر پھانسی کے رسے سے جھوم کر جانے والوں کے بچانے کی سعی کی۔انگریزی حکومت کی نظر میں بھلا غلام قوم کے محترم نمائندے کی حیثیت کیا ہوسکتی ہے۔مہاتما کی استدعاؤں کے باوجود تختہ دار پر لٹکائے گئے اور جنگل میں جلا کر دریا میں بہائے گئے۔ہر خیال کے آدمی کو یقین سا تھا۔کہ بھگت سنگھ کے ہمدرد اور ساتھی قیامت برپا کر دیں گے مگر کسی نکسیر نہ پھوٹی۔معلوم ہوا کہ سازش کا طول عرض یہی چند ساتھی تھے جو پکڑے گئے۔چند روز کے بعد لوگوں کی طبیعتیں اعتدال پر آگئیں۔غلام ہندوستانی جوں کے توں اپنے اپنے مشاغل میں مصروف ہوگئے۔

(جاری ہے)

احرار کا چراغ مصطفویؐ......قادیاں کا شرار بولہبی

آخری قسط

آغا شورش کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ

شاہ جی اپنے ساتھیوں سمیت پہلے کراچی سنٹرل جیل میں رکھے گئے۔ پھر سکھر جیل میں بھجوا دیا گیا۔ جہاں ان سے آخری بیماری چمٹ گئی۔ منیر انکوئری کمیٹی نے کام شروع کیا تو شاہ جی ۲۵ جولائی ۱۹۵۳ء کو لاہور سنٹرل جیل میں منتقل کر دیئے گئے۔ میاں محمود علی قصوری نے لاہور ہائیکورٹ میں شاہ جی کی نظر بندی کے خلاف رٹ وائر کر دی۔ جسٹس ایس اے رحمٰن نے قانونی غلطی کا فائدہ دے کر ۸ جنوری ۱۹۵۴ء کو شاہ جی اور ان کے ساتھیوں کو رہا کر دیا۔ شاہ جی نے رہا ہوتے ہی پہلی تقریر میں جسٹس منیر کو آڑے ہاتھوں لیا آپ نے ایک جلسہ عام میں اعلان کیا کہ ''میں آج بھی اور حشر کے دن بھی ان تمام شہیدوں کے خون کا ذمہ دار ہوں جنھیں عشق نبوت کی پاداش میں اسلامی سلطنت کے ہلاکو خاتون نے قتل کیا ہے۔ یہ کوئی نئی چیز نہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی اپنے زمانے میں سات ہزار حافظ قرآن صحابہؓ کو ختم نبوت کی خاطر شہید کرایا تھا۔'' شاہ جی کو حکومت کے بہیمانہ تشدد غصہ تھا اور تحریک کے سبوتاژ کیے جانے پر سخت غمزدہ تھے۔ ہمیشہ حکومت پر کڑی تنقید کرتے حکومت نے ۱۹۵۵ء میں انہیں ۶ ماہ کے لیے گھر میں نظر بند کر دیا۔ پھر ۱۴ اپریل ۱۹۵۵ء کو خانیوال کی تقریر میں پکڑ لیا کوئی پانچ چھ ماہ مقدمہ چلتا رہا اسی دوران میں سکندر مرزا نے بطور صدر پاکستان سید مظفر علی شمسی کی معرفت شاہ جی سے ملاقات کی خواہش کی لیکن شاہ جی ٹال گئے شاہ جی نے مظفر علی شمسی سے فرمایا:

''میں ایک فقیر ہوں اور کٹیا میں رہتا ہوں۔ سکندر مرزا کے ایوان صدر میں جا کر اپنی عمر بھر کی کمائی برباد نہیں کر سکتا۔ مجھے ان سے کوئی کام نہیں اگر سکندر مرزا کو مجھ سے کوئی کام ہے تو میری کٹیا میں آ جائیں''

۱۹۵۶ء کے آخر میں ان کے جسمانی عوارض عود کر آئے اور وہ ایک طویل بیماری کا شکار ہو گئے پھر ۱۶ مارچ ۱۹۶۱ء کو ان پر فالج کا شدید حملہ ہوا اور ۲۱ اگست کی شام کو ۶ بجکر ۵۵ منٹ پر تحریک ختم نبوت کا سب سے بڑا قائد ۶۴ برس کی لازوال جدوجہد کے بعد اس فانی کائنات سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا۔

احرار اپنے سیاسی عمل سے دستبردار ہو چکے تھے اور صرف قادنیت ان کی جدوجہد کا محور تھا لیکن ۱۹۵۳ کی تحریک ختم نبوت میں قادیانی اور سرکاری دوائر سے ان کے خلاف بے پناہ گولہ باری کی گئی اور قلم فروش دانشوروں کا ایک طائفہ ان کے متعلق خرافات نگاری میں مشغول ہو گیا اس سلسلے میں حکومت نے بے شمار روپیہ صرف کیا اور ان تمام بے دین قلمکاروں کو سرکاری خزانے سے نوازا جو اس تحریک کی رسوائی کے لیے احرار کو مطعون کرنے کا ملکہ رکھتے تھے المختصر قادیانیت کا محاسبہ

پاکستان دشمنی قرار دیا گیا۔ سب سے زیادہ افسوس ناک منیر انکوائری رپورٹ تھی۔ جسٹس منیر نے تحقیقات کے دوران میں نے صرف علماء کا استہزا کیا بلکہ چیف جسٹس ہونے کے زعم میں سے اسلام کے خلاف ایک ایسی دستاویز مرتب کی جس سے یورپ کے عیسائی حلقوں نے بے لگام ہو کر فائدہ اٹھانا چاہا یہ ایک ایسی رپورٹ تھی کہ اس کے خلاف کئی ایک مسلمان دانشوروں نے جو تحفظ تحریک ختم نبوت میں سے شامل نہ تھے اور جنہیں احرار سے عمر بھر سیاسی اختلافات رہے اس کے خلاف اپنے بعض مقالوں کئی کتابوں اور اکثر تقریروں میں احتجاج کیا۔ جسٹس منیر نے سب سے زیادہ غصہ احرار کے خلاف نکالا اور ان کے متعلق اس قسم کی لغو زبان استعمال کی کہ اس طرح کی زبان استعمال کرنے کا حوصلہ کبھی بشیر الدین محمود کو بھی نہ ہوا تھا۔

بہر حال تحفظ ختم نبوت کی تحریک احرار کی انتھک جدوجہد تھی انہوں نے اسلام کے ایک بنیادی مسئلے پر تمام مکاتیب فکر کے علماء کو یکجا کیا اور ایک ایسی تحریک کی نیو اٹھائی جو اس وقت کے لادین وزراء اور عیاش افسروں کے ستم کا شکار ہو گئی لیکن مسلمانوں کے دل و دماغ میں ہمیشہ کے لیے قادیانیت سے تنفر راسخ ہو گیا فی الجملہ احرار کے اس امتیاز کو سلب کرنا ناممکن ہے کہ وہ اس تحریک کے سرخیل تھے۔

۱۹۷۴ء میں قادینیوں نے پھر سر اٹھایا اور اقتدار پر شب خون مارنے کی سازشیں شروع کیں۔ ان سازشوں کی بنیاد بھی وہی تھی جو ۱۹۵۲ء میں مرزا بشیر الدین محمود نے بلوچستان کو قادیانی اسٹیٹ بنانے کی صورت میں سوچی تھی۔

مرزا ناصر احمد مسلمانوں میں ہیجان و اضطراب کے باوجود اپنی مہرہ بازی میں مشغول تھا۔ کبھی اس کے فرستادہ ملک کی سیاسی تحریکوں اور تنظیموں میں شامل ہو کر ترپ کھیلنا چاہتے اور کبھی مسلمانوں کی مدافعت و مزاحمت جوش و جواب کو پرکھنے کے لیے مختلف تجربے کرتے۔ جب انہوں نے محسوس کیا کہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی معرفت ملک کے اسلامی ذہن کو حسب منشاء قتل نہیں کرا سکے اور نہ ہی سیاسی اصطلاح کے مطابق دایاں بازو پر جھاڑو پھیری ہے بلکہ منبر و محراب کی دینی فضا جو ان کی محاسب قوت ہے پہلے سے کہیں تیز ہو رہی ہے حتیٰ کہ اوقاف کی مساجد میں بھی ان کے خلاف وعظ ہوتے ہیں تو وہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف ہو گئے خلیفہ ربوہ کی صدارت میں چند سبکدوش مرزائی جرنیلوں نے جمع ہو کر وزیر اعظم بھٹو کے قتل کی سازش کی۔ مرزائیوں نے اپنی شرارتوں کو اس حد تک طول دیا کہ ملک غلام مصطفیٰ کھر کی وزارت اعلیٰ سے سبکدوشی کو بھی مرزا ناصر احمد کا ''معجزہ'' گردانتے رہے۔ معلوم نہ ہو سکا کہ ان سے ناراضی کا سبب کیا تھا۔ ملک غلام مصطفیٰ کھر وزارت اعلیٰ سے الگ ہو کر کوٹ لکھپت کی طرف مزدوروں کے ایک مظاہرہ میں گئے تو راجہ منور احمد ایم پی اے (قادیانی) نے اپنی سرکاری حیثیت سے فائدہ اٹھا کر مرزائی نوجوانوں سے ان پر حملہ کرایا اور بری سے زبان استعمال کی۔

مرزائیوں نے ایک بڑا حوصلہ یہ کیا کہ ملک غلام مصطفیٰ کھر ایک دوست کے ہاں شادی میں لائل پور (فیصل

آباد) گئے تو ان کے خلاف وہاں ہنگامہ برپا کرایا اور ہنگامہ کرنے والے تقریباً سبھی نوجوان قادیانی تھے۔ ان نوجوانوں نے کھڑکی موٹر پر پتھراؤ کیا۔ غرض ربوہ کی منصوبہ بندی کا خلاصہ یہ تھا کہ مختلف تجربوں کی ترازو میں تول کر مسلمانوں کا وزن معلوم کرلیا جائے کہ اب ان کی طاقت کیا ہے؟ اور وہ کس حد تک مزاحمت و مدافعت کر سکتے ہیں اسی کا حصہ ربوہ ریلوے سٹیشن پر ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء کا سانحہ تھا۔ مرزا ناصر احمد کی شہ پر نشتر میڈیکل کالج ملتان کے لگ بھگ ایک سو طلبہ کو مرزائی غنڈوں نے اس بری طرح زدوکوب کیا کہ ڈیڑھ درجن طلبہ ہلکان ہوگئے اور جب گاڑی مرزا قادیانی کے بڑدلوں کی مشق ناز کے بعد لائل پور پہنچی تو غم وغصہ کی ایک طوفانی لہر دوڑ گئی دیکھتی آنکھوں شہر سے دس ہزار افراد پلیٹ فارم پر جمع ہوگئے۔ ڈپٹی کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی بھاری جمعیت کے ساتھ آ گئے انہوں نے نہایت تدبر و فراست سے صورت حالات پر قابو پالیا۔ ورنہ عوام کے جذبات آتشکدہ کے شعلوں کی طرح کھول رہے تھے اس واقعہ کی تفصیلات یہ ہیں کہ ۲۲ مئی کو نشتر میڈیکل کالج ملتان کے ایک سو طلبہ سیاحت کی غرض سے پشاور جا رہے تھے تو ربوہ اسٹیشن پر انہوں نے ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگائے۔ ان طلبہ میں ایک دو طلبہ قادیانی تھے۔ انہوں نے ربوہ کے حسب ہدایت چٹ ویز کی اور واپسی پر ان طلبہ کی پٹائی کا فیصلہ کیا گیا چنانچہ جب ۲۹ مئی کو چناب ایکسپریس پشاور سے چلی تو ربوہ کے اوباش تیار ہوگئے اور گاڑی کی آمد سے پہلے تقریباً پانچ ہزار افراد لاٹھیوں۔ کلہاڑیوں ہاکیوں خنجروں تلواروں اور پستولوں سے مسلح ہوکر پلیٹ فارم پر جمع ہوگئے جب گاڑی ربوہ سے پہلے شاہین آباد کے سٹیشن پر پہنچی تو اس کے قادیانی العقیدہ اسٹیشن ماسٹر نے ربوہ کے ہم عقیدہ اسٹیشن ماسٹر کو طلبہ کی بوگی کا نشان دیا اور تیاری کو مستعد کرنے کے لیے گاڑی کی روانگی میں تاخیر کی پھر جب گاڑی ربوہ سٹیشن پر پہنچی تو ان ہزار ہا افراد نے طلبہ کی بوگی پر حملہ کر دیا طلبہ نے وحشیانہ ہجوم کو دیکھ کر بوگی کے دروازے بند اور کھڑکیاں مقفل کر لیں لیکن مرزائی درندوں نے دروازے اور کھڑکیاں توڑ ڈالیں۔ اندر گھس گئے اور تمام طلبہ کو بری طرح زدوکوب کیا۔ ۳۰ طلبہ سخت زخمی ہوئے نشتر میڈیکل کالج یونین کے صدر ارباب عالم کو اس بری طرح پیٹا کہ وہ بے ہوش ہوگئے ربوہ کے اسٹیشن ماسٹر نے سگنل ہونے کے باوجود گاڑی کو چلنے نہ دیا۔ وہ قادیانی غنڈوں کی حوصلہ افزائی کرتا رہا۔ نوائے وقت کے نامہ نگار کی روایت کے مطابق پچاس ساٹھ قادیانی سرگودھا سے سوار ہوئے کہ اس کار خیر میں حصہ لیں اور طلبہ کی نشاندہی کریں ان حملہ آوروں میں تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے طلبہ بعض اساتذہ اکثر دکاندار اور کئی ایک قصر خلافت کے معتمدین تھے۔ انہوں نے طلبہ کی پٹائی کے علاوہ ان کا سامان چھین لیا اور مال غنیمت گردان کر لے گئے۔ دلچسپ پہلو یہ تھا کہ مرزائی اپنے ساتھ بازاری فطرت کی تین چار سو عورتیں بھی لائے تھے جو طلبہ کی پٹائی پر تالیاں پیٹیں اور رقص کرتی رہیں۔ جب گاڑی لائل پور (فیصل آباد) پہنچی تو ایک طوفان برپا ہوگیا۔

تمام صوبے میں ۳۰ مئی کو ربوہ کے واقعہ پر زبردست مظاہرے ہوئے اکثر شہروں میں مکمل ہڑتال ہوئی کئی جگہ

قادیانیوں کے متعدد مکانوں اور دکانوں کو نذر آتش کیا گیا۔ پولیس نے اکثر جگہ لاٹھی چارج کیا آنسو گیس پھینکی اور بعض جگہ فائرنگ کی جس سے کئی افراد زخمی ہوگئے بعض شہروں میں اکثر مظاہرین گرفتار کیے گئے ہر جگہ ربوہ کو کھلا شہر اور مرزائیوں کو علیحدہ اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا گیا۔ حکومت سے کہا گیا کہ اس سانحہ کی عدالت عالیہ کے کسی جج سے تحقیقات کرائی جائے۔ سرگودھا میں تمام کاروبار بند رہا تاجر، طلباء مزدور اور شہری سڑکوں پر نکل آئے۔ مرزائیوں کی دکان پر پتھراؤ کیا گیا۔ انہوں نے اپنی دکانوں سے ہجوم پر فائرنگ کی بعض طلبہ کو پکڑ کر جس بے جا میں رکھا۔ زدوکوب کیا اور شدید زخمی کر دیا۔ ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کے وکلاء نے سانحہ ربوہ کے خلاف زبردست احتجاجی جلوس نکالا۔

بعض مرزائیوں کی طرف سے قبول اسلام کا سلسلہ شروع ہوگیا وہ مختلف اخباروں میں اشتہار دینے لگے۔ سنسر کی شدید پابندیوں کے باوجود صوبہ بھر میں سانحہ ربوہ کا شدید ردعمل موجود تھا پولیس کو اس ردعمل کے تدارک کی خاطر وسیع پیمانے پر گرفتاریوں کے احکام دیئے جا رہے تھے۔ واقعہ یہ کہ سانحہ ربوہ نے قادیانیت کے خلاف دلولہ پیدا کر دیا اور تحریک تمام ملک میں احتجاج کی شکل اختیار کر گئی۔

قادیانی مسئلے سے متعلق لوگوں کے جذبات بے پناہ ہوگئے ہیں۔ حکومت نے مری میں اعلیٰ سطح کانفرنس کے بعد کئی ایک اہم فیصلے کیے جن میں ربوہ کو کھلا شہر قرار دینے کا فیصلہ بھی شامل ہے اور ان قادیانیوں کی فہرستیں تیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جو کلیدی آسامیوں پر فائز ہیں لائل پور (فیصل آباد) میں ایک قادیانی نے اندھا دھند فائرنگ کر کے مسلمانوں کو زخمی کیا جس سے صورت حال میں تموّج پیدا ہوگیا۔

اسلام آباد میں قومی اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوا جس میں قادیانیوں کو خارج از اسلام اقلیت قرار دینے کے لیے حزب اقتدار اور حزب اختلاف نے متفقہ طور پر ایک خصوصی کمیٹی قائم کرنے کا فیصلہ کیا کہ تمام ارکان قومی اسمبلی کے ممبر ہوں گے۔ ان کی تعداد ۱۴۰ ہوگی اور ان میں ۱۰ ارکن اپوزیشن کے ہوں گے۔ وزیراعظم بھٹو اجلاس میں شریک ہوئے بعض تفصیلات طے کرنے کے لیے اجلاس دو گھنٹہ ملتوی کیا گیا اس کے بعد اپوزیشن کی قرار داد اور سرکاری تحریک دونوں متفقہ طور پر منظور کر لی گئیں۔ خصوصی کمیٹی کے اجلاس خفیہ ہوں گے۔ اجلاس شروع ہوگئے۔ طریق کار واضع کر لیا گیا مجلس عمل نے تحریک میں توانائی پیدا کر دی کوئی سرکاری یا غیر سرکاری شخص مرزائیت کی بلاواسطہ کیا حمایت کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کراچی سے پشاور تک جلسہ ہائے عام منعقد کیے جا رہے تھے سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند سید عطاء المحسن بخاری بھی اس سلسلہ میں گجرات میں گرفتار کر لیے گئے۔ مجلس احرار اسلام کی ذیلی تنظیم ''تحریک طلباء اسلام'' کے مرکزی صدر ملک ربنواز نے چنیوٹ میں دو گھنٹے تقریر کی۔ اس کے بعد ستر ہزار افراد پر مشتمل جلوس نکالا گیا۔ مجلس عمل تحفظ ختم نبوت میں سبھی دینی جماعتیں شامل تھیں۔ محدث العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری علیہ الرحمۃ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا

محمد یوسف بنوری مجلس عمل کے صدر اورتحریک کے قائد تھے۔تحریک تحفظ ختم نبوت کی داعی جماعت مجلس احرار اسلام کی نمائندگی جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری کررہے تھے۔اور قائدین تحریک کی صف اول تھے انہی کی تجویز پر حضرت سید یوسف بنوری کو قائد چنا گیا۔

''مجلس احرار اسلام کی ترجمانی کیلئے ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری سید عطاء المؤمن بخاری، چودھری ثناء اللہ بھٹہ ہر اجلاس میں ہمہ وقت موجود تھے۔''تحریک طلباء اسلام'' کی نمائندگی ملک ربنواز، محمد عباس نجمی، عبداللطیف خالد چیمہ، سید محمد کفیل بخاری، شاہد کاشمیری، حافظ محمد یوسف سیال اور سید محمد ارشد بخاری نے کی۔'' (مرتب: شاہد کشمیری)

آخر ختم نبوت کے مسئلے پر اپنے جذبات کا اظہار کرنے کے لیے صوبہ بھر میں طلباء نے ۶ ستمبر کو علامتی ہڑتال کی۔ ۷ستمبر کا مبارک دن آ گیا قادیانیوں کو قومی پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔اس بے نظیر فتح پر تمام ملک میں مسرت کی لہر دوڑ گئی لوگوں نے ہر شہر میں مٹھائی بانٹی ہر کیں مسلمانوں نے اپنے مکانوں پر چراغاں کیا۔

قومی اسمبلی نے مرزا ناصر احمد پر ۱۱دن تک ۴۲ گھنٹے اور مرزا قادیانی کی لاہوری شاخ کے امیر پر سات گھنٹہ جرح کی۔اس دوران میں وزیر اعظم اور وزیر قانون (عبدالحفیظ) سے اپوزیشن کے متذکرہ رہنماؤں نے کئی ملاقاتوں میں مذاکرات کئے اور چار پانچ دفعہ نازک موڑ بھی آئے۔آخر تصادم کا اندیشہ لاحق ہوگیا اور مجلس عمل کے رہنما سر بکف ہو کر قید و بند کے لیے تیار ہوگئے لیکن فضل ایزدی سے اتفاق رائے ہوگیا اور وزیر اعظم نے الفاظ کا حک و فک چھوڑ کر مجلس عمل کے پارلیمانی نمائندوں کی تجویز پر صاد کیا۔چنانچہ ۷ستمبر ۱۹۷۴ء کو ۴ بجکر ۳۵ منٹ پر قادینیوں کی دو شاخوں کو اقلیت قرار دے کر دائرہ اسلام سے خارج کر دیا گیا۔مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے قائد ایون کی حیثیت سے ۲۷ منٹ تک وضاحتی تقریر کی۔مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ وزیر قانون نے اس سلسلہ میں آئینی ترمیم کا تاریخی بل پیش کیا اور جب بل متفقہ رائے سے پاس ہوگیا تو حزب اقتدار وحزب اختلاف کے ارکان آپس میں فرط مسرت سے بغل گیر ہوگئے۔ان کے چہرے خوشی سے تمتما اٹھے حتیٰ کہ وزیر عظم بھٹو ارکان سے گرمجوشی سے ملے۔اس کے بعد سینیٹ نے پونے آٹھ بجے اجلاس شروع کر کے آٹھ بج کر ۴ منٹ پر صاد کیا۔پورے ملک میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔لوگ فرط مسرت سے دیوانہ ہوگئے۔شیرینی تقسیم کی گئی اور جگہ جگہ آتش بازی چھوڑی گئی۔

وزیر اعظم بھٹو نے اپنی تقریر میں کہا کہ منکرین ختم نبوت کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا فیصلہ پوری قوم کی خواہشات کا آئینہ دار ہے اس مسئلہ کو دبانے کے لیے ۱۹۵۳ء میں ظالمانہ طور پر طاقت استعمال کی گئی تھی۔

اس بل کی متفقہ منظوری کے بعد نوے سال کا ایک قضیہ ختم ہوگیا۔مسلمانوں کی طویل جدوجہد بفضل تعالیٰ کامیاب ہوئی مرزا قادیانی کی صیہونی امت ایک غیر مسلم اقلیت کے طور پر مشخص ہوگئی اور عرب وعجم میں وحدت ملی کا

تصوراس مہلکہ سے محفوظ ہوگیا جواس کے سیاسی بدن کا استعمال ناسورتھا۔ غرض ۹۰ برس کی تحریک میں یہ پہلا موقع تھا کہ پورا ملک اس کی لپیٹ میں آ گیا تمام شہروں اور قصبوں کے علاوہ تحریک ہر گاؤں کی چوپال تک چلی گئی کوئی ٹکڑا نہ رہا۔ جہاں قادیانیت کے خلاف نعرہ رستخیز نہ گونجا ہو۔ عوام کے میدانوں اور حکومت کے ایوانوں میں تحریک کے شعلے بھڑکتے رہے۔ حتیٰ کہ فوج بھی اس سے سرشار ہوگئی ان آثار ومظاہر ہی کا نتیجہ تھا۔ کہ مسیلمہ کذاب کی اسرئیلی روح ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستان سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگئی اوراس کا استعماری وجود اپنے انجام ومقام کو پہنچ گیا۔

''سیدعطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے انگریز کے خود کاشتہ پودے مرزائیت کے خلاف جس عوامی جدوجہد کا آغاز ۱۹۱۲ء میں بندے ماترم ہال امرتسر میں مرزا بشیرالدین کا جلسہ الٹ کر کیا تھا وہ آج کامیابیوں سے ہمکنار ہوگئی۔ مجلس احرار اسلام نے اپنے ہزاروں رضا کاروں کا خون جس مقدس تحریک کی بنیادوں میں دیا تھا وہ خون رنگ لایا اور شہداء ختم نبوت کی روحیں خوشی سے سرشار ہوگئیں۔ پاکستان کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے انہی دنوں چترال میں ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

سیدعطاء اللہ شاہ بخاری بہت بڑے خطیب تھے انہوں نے قادیانی مسئلہ پر بڑی تقریریں کیں اور قربانی دی۔ علامہ اقبال نے اس مسئلہ کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ میں نے ۹۰ سالہ مسئلہ حل کر کے اقبال اور عطاء اللہ شاہ بخاری کا مشن پورا کر دیا ہے''۔ (مرتب: شاہد کشمیری)

قراردادِ تکفیرِ قادیانیت (پہلی قسط)

عربی مقالہ: شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ / ترجمہ: مولانا محمد یوسف حسین گجراتی

(اسلامی ممالک کے اکثر خطوں کے مقتدر علماء و مفتیان کے غیر مسلم اقلیت ہونے پر اتفاق و بالخصوص رابطۃ العالم الاسلامی سے 1973ء و پاکستان سے 1974ء میں قادیانیوں کے غیر مسلم اقلیت کی قرارداد و قانون پاس ہونے کے باوجود جنوبی افریقہ کے شہر کیپ ٹاؤن کی عدالت عظمیٰ میں اس فرقہ نے مسلمانوں کے خلاف کیس دائر کیا، جس کے بعد وہاں کے مسلمانوں کی طرف سے حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی کی طرف رجوع کیا گیا، حضرت زید مجدہم نے ایک مفصل فتویٰ صادر فرما کر اس کا مجوزہ مسودہ مجمع الفقہ الاسلامی کو بھیجا، جس کے نتیجے میں مجمع نے قادیانیت کے غیر مسلم اقلیت ہونے کی قرارداد پاس کی۔ مجمع کی قرارداد اور حضرت کے فتویٰ کے مجوزہ مسودہ کا اردو ترجمہ افادہ عام کے لیے نذر قارئین ہے۔ ادارہ)

قادیانیوں کے بارے میں مجمع الفقہ الاسلامی العالمی کی قرارداد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیّیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ امابعد:

قرارداد نمبر ۴، بابت قادیانیت

بتاریخ 10 تا 12 / ربیع الثانی 1406 بمطابق 22 تا 28 / دسمبر 1985ء کو جدہ میں منعقدہ دوسرے کانفرنس کے اجلاس میں منظمۃ المؤتمر الاسلامی کے ذیلی ادارے مجلس مجمع الفقہ الاسلامی:

جنوبی افریقہ کیپ ٹاؤن میں مجلس الفقہ الاسلامی کی طرف سے قادیانیت اور اس سے الگ نکلے ہوئے لاہوری فرقہ کے مسلمانوں میں شمار کرنے یا نہ کرنے کے حکم شرعی اور کسی غیر مسلم کی اس قضیہ میں مداخلت کی اہلیت کے شرعی اعتبار کے حوالے سے پیش کردہ استفتاء پر غور و خوض کرنے کے بعد: اور گزشتہ صدی میں ہندوستان میں ظاہر ہونے والے مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی طرف منسوب قادیانی و لاہوری ہر دو فرقوں کے شرعی حکم کے موضوع پر مجمع کے اراکین کی طرف سے پیش کیے گئے مقالہ جات اور دستاویزات کی روشنی میں: نیز قادیانیت کے ان ہر دو فرقوں سے متعلق ذکر کردہ معلومات اور اس بات کی مکمل تحقیق و تثبیت کے بعد کہ: مرزا غلام احمد قادیانی نبوت کا دعویٰ کیا ہے کہ وہ نبی مرسل ہے، اس پر وحی نازل ہوتی ہے، اور جیسا کہ اس کی تالیفات سے ثابت ہے، جن میں اس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان سب باتوں کی بابت اس پر وحی نازل کی گئی ہے، اور وہ ساری زندگی اس دعویٰ کو سرِ عام نشر کرتا رہا ہے اور اپنی کتب و گفتگو میں لوگوں سے یہ مطالبہ کرتا رہا ہے کہ وہ اس کی رسالت اور نبوت کا اعتقاد رکھیں، جیسے کہ اس سے بہت سی ضرورت دین مثلاً جہاد وغیرہ

کا انکار بھی ثابت ہے۔

مجمع الفقہ الاسلامی (مکہ کرمہ) کی طرف سے اسی موضوع سے متعلق صادر کردہ تحریر پر عالمی مجمع الفقہ الاسلامی کے غور وخوض کے بعد یہ قرارداد پاس کرتی ہے کہ:

۱۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت ورسالت اور نزول وحی کا جو دعوٰی کیا ہے، یہ ضروریات دین میں سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت اور رسالت اور ان کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہونے کے ثابت شدہ قطعی اور یقینی عقیدہ کا صریح انکار ہے، اور مرزا غلام احمد قادیانی کے اس دعوٰی کے بعد اس سمیت اس کے تمام پیروکار مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ نیز لاہوری فرقہ بھی مرتد ہونے کی حیثیت سے شرعی حکم میں قادنیوں ہی کی طرح ہے، کیوں کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی ہونے کے اعتبار سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ اور پرتو ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

۲۔ کسی غیر اسلامی عدلیہ یا غیر مسلم جج کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اسلام اور ارتداد کا فیصلہ صادر کرے، بالخصوص علماء کی بڑی تعداد کے درمیان موجود امت اسلامیہ کا جس مسئلہ پر اجماع ہو گیا ہو، اس کے خلاف فیصلہ صادر کرنا، اور وہ اس لیے کہ اسلام اور ارتداد کا حکم لگانا اس وقت تک قابل قبول نہیں ہو سکتا جب تک کہ یہ ایسے واقف کار کی طرف سے صادر نہ ہو جو کسی کے اسلام میں داخل اور اس سے خارج ہونے کی پوری تحقیق کرے اور اسلام یا کفر کی حقیقت کی سمجھ بوجھ وادراک رکھتا ہو، اور اس کا علم کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت شدہ علوم کو محیط ہو، پس اس کافر عدلیہ نے جو حکم صادر کیا ہے وہ باطل اور کالعدم ہے۔ واللہ اعلم۔

قادنیوں کے بارے میں استفتاء سے متعلق مجوزہ جواب کا مسودہ

محمد تقی عثمانی رکن وفاقی شرعی عدلیہ پاکستان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اَمَّابَعْدُ!

۱،۲۔ بلاشبہ قرآن وسنت کی واضح اور قطعی نصوص اس عقیدہ پر شاہد ہیں کہ نبی کریم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے اور جو کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت یا رسالت کا دعوٰع کرے وہ جھوٹا اور ملت اسلامیہ سے خارج ہے اور شک نہیں کہ یہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک ایسا عقیدہ ہے جس میں کسی قسم کی تاویل یا تخصیص کا احتمال سرے سے ہے ہی نہیں، کیوں کہ یہ قرآن کریم کی واضح اور بین نصوص سمیت متواتر اور قطعی احادیث نبویہ سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا.(۱)

(مسلمان) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول

ہیں۔اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں اور اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا ہے۔

جبکہ ایک سو سے متجاوز احادیث متواترہ اس قطعی عقیدہ کو ثابت کرتی ہیں۔جن میں سے چند ایک بطور مثال ذکر کی جاتی ہیں۔

الف. حَدَّ ثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلّٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنّ مَثَلِي وَمَثَلَ الاءَ نْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوْفُوْنَ بِهٖ وَيَعْجَبُوْنَ لَهٗ وَيَقُوْلُوْنَ هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ؟ قَالَ: فَأَنَا اللَّبِنَةُ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ.(۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اسے خوب آراستہ و پیراستہ کیا مگر اس کے ایک گوشہ میں صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔لوگ آکر اس کے اردگرد گھومنے لگے اور تعجب کرنے لگے اور کہنے لگے یہ اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی (تاکہ یہ عیب بھی نہ رہتا) اس کے بعض الفاظ میں یہ ہے کہ میں نے آکر اس اینٹ کی جگہ کو پُر کر دیا ہے اور اب قصر نبوت میری آمد سے مکمل ہو گیا ہے اور مجھ پر تمام رسول ختم کر دیئے گئے۔

ب. عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ قَاعَدْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ خَمْسَ سِنِيْنَ فَسَمِعْتُهُ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَتْ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْأَ نْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَسَيَكُوْنُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُوْنَ قَالُوْا فَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ فُوْا بِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ أَعْطُوْهُمْ حَقَّهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ. (۳)

ابو حازم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے پانچ سال حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مجالست کی ہے۔پس میں نے ان سے سنا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی اصلاح انبیاء کیا کرتے تھے۔جب ایک نبی فوت ہو جاتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہو جاتا اور یقیناً میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور خلفاء ہوں گے۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا تو پھر آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟ (یعنی جب بہت ہوں گے اور اختلاف ہوگا تو ہم اس وقت کس کا حکم مانیں) تو آپ نے فرمایا: پہلے کی بیعت پوری کرو اور پہلوں کو ان کا حق دو۔بے شک اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعیت کے متعلق سوال کرے گا۔

ج. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَقْتَتِلَ فِئَتَانِ فَيَكُوْنَ بَيْنَهُمَا مَقْتَلَةٌ، دَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ، وَلَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُبْعَثَ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ، قَرِيْبًا مِنْ ثَلَاثِيْنَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ. (۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی یہاں تک کہ دو جماعتیں آپس میں لڑیں گی، اوران کے درمیان بہت بڑی جنگ ہوگی، کیوں کہ ہر دونوں کا دعوٰی ایک ہوگا، اور قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی یہاں تک کہ تیس کے قریب جھوٹے اور دجال آئیں گے، جن میں سے ہر ایک اپنے تئیں یہ سمجھ رہا ہوگا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

یہ وہ قطعی نصوص ہیں، جن کی بنیاد پر امت اسلامیہ کا اس بات پہ اجماع ہے کہ ہر وہ شخص جو نبوت یا رسالت بات کا دعویدار ہوگا چوں کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے لہذا اس کی اتباع حجت شرعیہ کی حیثیت سے واجب ہے، تو ایسا شخص کافر اور ملت اسلامیہ سے خارج ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ اپنی کتاب شفاء میں اسی اجماع کی تصریح ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

لانہ اخبر صلی اللہ علیہ وسلم انہ خاتم النبیین لا نبی بعدہ واخبرعن اللہ تعالیٰ انہ خاتم النبیین وانہ ارسل کافۃ للناس واجمعت الامۃ علی حمل ھذا الکلام علیٰ ظاھرہ وانہ مفھومہ المرادبہ دون تاویل ولاتخصیص فلا شک فی کفر ھؤلاءِ الطوائف کلھا قطعا اجماعا وسمعا. (۵)

اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر دی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، اور آپ کو پوری انسانیت کی طرف مبعوث کو کیا گیا ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ یہ کلام بالکل اپنے ظاہری معنیٰ پر محمول ہے۔ اور جو اس کا مفہوم ظاہری الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے وہی بغیر کسی تاویل یا تخصیص کے مراد ہے۔ پس ان لوگوں کے کفر میں کوئی شبہ نہیں۔ جو اس کا انکار کریں اور یہ قطعی۔ اجماعی اور (تواتر سے چلا آتا) سماعی عقیدہ ہے۔

﴿ حواشی ﴾

(۱) الاحزاب، ۴۰

(۲) صحیح البخاری: ۲/ ۵۰۱ باب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم، قدیمی کتب خانہ

(۳) صحیح البخاری: ۲/ ۴۹۰ باب ماذکرعن بنی اسرائیل، قدیمی کتب خانہ

(۴) صحیح البخاری: ۲/ ۵۰۴ باب علامات النبوۃ فی الاسلام، قدیمی کتب خانہ

(۵) الشفاء للقاضی عیاض: ۲/ ۲۴۷، مطبوعہ مصر

(جاری ہے)

ادارہ

مسافران آخرت

☆مولانا حافظ محمد زاہد صاحب واہلیہ رحمہما اللہ: خانقاہِ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ کے بانی شیخ المشائخ، حضرت مولانا احمد خان قدس سرہٗ کے پوتے حضرت مولانا حافظ محمد زاہد صاحب رحمۃ اللہ علیہ 9/محرم الحرام 1441ھ/9/ستمبر 2019ء کویت میں انتقال کر گئے۔ انتقال کی خبر سنتے ہی اُن کی اہلیہ محترمہ بھی انتقال کر گئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت حافظ صاحب رحمہ اللہ، محترم حامد سراج کے چچا تھے اور مرحومہ خالہ تھیں۔ بیک وقت دو اموات سے خاندان اور خانقاہِ سراجیہ کے متوسلین شدید صدمے سے دوچار ہوئے۔ حضرت مولانا خلیل احمد دامت برکاتہم، حضرت مولانا عزیز احمد مدظلہٗ، بھائی حامد سراج صاحب اور حضرت حافظ محمد زاہد صاحب رحمہ اللہ کے اکلوتے فرزند صاحبزادہ محمد راشد غم کے جس مرحلے سے گزرے وہ ناقابلِ بیان ہے۔ 12/محرم/12 ستمبر کو دونوں میتیں خانقاہ سراجیہ پہنچیں اور بعد عصر نمازِ جنازہ و تدفین ہوئی۔ حضرت حافظ صاحب اپنے جد امجد اور اکابر خانقاہ سراجیہ سے جا ملے۔ راقم خانقاہ سراجیہ حاضر ہوا، حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد دامت برکاتہم، حضرت عزیز احمد مدظلہٗ اور حضرت حافظ محمد زاہد رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند صاحبزادہ محمد راشد صاحب سے ملاقات و اظہارِ تعزیت کیا۔ حق تعالیٰ شانہ حسنات قبول فرما کر مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرما کر اعلیٰ علیّین میں جگہ عطا فرمائے۔ تمام لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

☆شہزادہ محمد اکبر مرحوم: چنیوٹ میں روزنامہ نوائے وقت لاہور کے قدیم نمائندے، مجاہدِ ختم نبوت جناب شہزادہ محمد اکبر 30/ اگست 2019ء کو انتقال کر گئے۔ مرحوم صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک راسخ العقیدہ سچے مسلمان تھے۔ عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے عمر بھر جدوجہد کی۔ وہ ایک بامقصد اور نظریاتی صحافت کے علم بردار تھے۔ ختم نبوت کی ہر تحریک اور ہر جلسے میں مشنری جذبے کے ساتھ شریک رہے۔ تقریباً 45 سالہ صحافتی زندگی میں تحفظ ختم نبوت کا مشن اُن کے قلمی جہاد کا محور رہا۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ اور ابناءِ امیر شریعت کے ساتھ بہت ہی محبت تھی۔ خصوصاً امیر مرکزیہ حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہٗ سے تو والہانہ تعلق تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی قبول فرما کر مغفرت فرمائے۔

☆مدرسہ ختم نبوت، مسجد احرار چناب نگر کے مدرس قاری عمر فاروق کے چچا جناب قاری محمد اسلم رحمہ اللہ، انتقال: 13/ستمبر 2019

☆مجلس احرار اسلام چناب نگر کے کارکن بھائی محمد انور (الیکٹریشن) کی والدہ مرحومہ، انتقال: 10/ستمبر 2019ء

☆مجلس احرار اسلام چنیوٹ کے کارکن محمد حنیف معاویہ کے بھائی محمد منور مرحوم

☆مجلس احرار اسلام ملتان کے کارکن بھائی محمد معاویہ رضوان کے سسر جناب کفایت اللہ مرحوم، انتقال: 12/ستمبر 2019ء

☆جناب ڈاکٹر محمد الیاس (شعبہ عربی، پنجاب یونیورسٹی) کی ہمشیر مرحومہ، انتقال: یکم ستمبر 2019ء

☆محترم حمید اقبال اُپل (لاہور) کے چھوٹے بھائی عبدالرحمٰن اُپل مرحوم، انتقال: 31/اگست 2019ء

☆مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم ملتان کے قدیم معاون اور ہمسائے چودھری محمد مشتاق رحمہ اللہ، انتقال: 15/ستمبر 2019ء

☆انٹرنیشنل ختمِ نبوت موومنٹ کے مرکزی نائب صدر قاری شبیر احمد عثمانی (چناب نگر) کے چھوٹے بھائی محمد طاہر مرحوم،

انتقال:20/ستمبر 2019ء

☆ بخاری اکیڈمی ملتان کے منتظم جام ریاض احمد اور مجلس احرارِ اسلام ماہڑہ، ضلع مظفر گڑھ کے رہنما جام محمد شفیع کے بہنوئی، جام سجاد احمد مرحوم۔ انتقال:11/ستمبر 2019ء

☆ مجلس احرار اسلام عثمان آباد کالونی یونٹ ملتان کے کارکن شیخ محمد علی کے چچا اور شیخ فضل الرحمٰن مرحوم کے بھائی شیخ عزیز الرحمٰن مرحوم، انتقال:25/ستمبر 2019ء

☆ مدرسہ معمورہ ملتان کے قدیم معاون ومہربان جناب محمد محسن تھہیم 25/ستمبر 2019ء، ٹریفک حادثے میں انتقال کر گئے۔

☆ مجلس احرار اسلام بیٹ میر ہزار، مظفر گڑھ کے سرپرست حاجی عبدالرزاق صاحب کے چچا اور غلام عباس کے والد، غلام فرید مرحوم، انتقال:11/ستمبر 2019ء

☆ ہمارے قدیم مہربان وکرم فرما جناب عبدالغفور چانڈیہ (کوٹ ادو) کی والدہ مرحومہ، انتقال:9/ستمبر 2019ء

☆ حضرت امیر شریعتؒ کے خاندانی معالج ڈاکٹر مقبول احمد مرحوم (ملتان) کے فرزند محمد ارشد چودھری 28 اگست بدھ کو لاہور میں انتقال کر گئے۔ مرحوم نواب زادہ نصر اللہ خان مرحوم کے دست راست اور عبداللطیف خالد چیمہ کی اہلیہ کے ماموں تھے۔

☆ چیچہ وطنی میں ہمارے تبلیغی دوست جناب راشد سعید کے والد گرامی حاجی محمد سعید اکبر (دچک نمبر 12/54 ایل) 14 ستمبر کو انتقال کر گئے۔

☆ مرکز احرار مسجد ختم نبوت رحمٰن سٹی چیچہ وطنی کے معاون چودھری محمد ندیم کے بڑے بھائی حاجی محمد عبدالوحید 24 ستمبر مدینہ منورہ میں انتقال کر گئے۔ تدفین جنتُ البقیع میں ہوئی

☆ مجلس احرار اسلام کہروڑ پکا کے احرار کارکن حافظ عبداللطیف مرحوم کی ہمشیر اور محمد اسلم کی والدہ 26 ستمبر کو انتقال کر گئیں۔

☆ مجلس احرار اسلام ٹوبہ ٹیک سنگھ کے کارکن جناب مولانا قاری محمد ارشد صاحب کی والدہ مرحومہ 12 ستمبر کو انتقال کر گئیں۔

☆ مجلس احرار اسلام پیر محل کے کارکن جناب حافظ امان الحق کے والد مرحوم 11 ستمبر کو انتقال کر گئے۔

☆ مجلس احرار اسلام (چک نمبر 100 گڑھا موڑ) کے کارکن حافظ محمد امین مرحوم کی اہلیہ اور محمد یاسر کی والدہ 27 ستمبر کو انتقال کر گئیں

☆ مجلس احرار اسلام چیچہ وطنی کے نائب امیر چودھری محمد اشرف کے بہنوئی محمد یوسف 26 ستمبر جمعرات کو انتقال کر گئے۔

☆ حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ کے معالج حضرت حافظ حکیم محمد حنیف اللہ رحمہ اللہ کی دختر، حکیم حافظ محمد طارق اور حکیم محمد خلیل اللہ حفظہما اللہ کی ہمشیر 28 ستمبر کو لاہور میں انتقال کر گئیں۔

اللہ تعالیٰ سب مرحومین کی مغفرت فرمائے، حسنات قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے۔ پسماندگان کو صبرِ جمیل عطاء فرمائے۔ آمین

42 ویں
مجلس احرار اسلام پاکستان کے زیر اہتمام
روح پرور
پُر وقار
سالانہ
2 روزہ
ختم نبوت کانفرنس
بمقام
جامع مسجد احرار چناب نگر ضلع چنیوٹ
11 12 ربیع الاوّل 1441
زیر صدارت
ابن امیر شریعت
حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
امیر مجلس احرار اسلام پاکستان
مہمان خصوصی
حضرت مولانا صاحبزادہ عزیز احمد دامت برکاتہم
نائب امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان
خانقاہ سراجیہ کندیاں
مہمان خصوصی
حضرت مولانا حافظ ناصر الدین خاکوانی
نائب امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان
حضرت مولانا مفتی محمد حسن دامت برکاتہم
عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان
خطیب بنی ہاشم نواسہ امیر شریعت
حضرت مولانا حافظ سید محمد کفیل شاہ
نائب امیر مجلس احرار اسلام پاکستان
محترم جناب عبداللطیف خالد چیمہ
سیکرٹری جنرل مجلس احرار اسلام پاکستان
پروگرام
11 ربیع الاول
پہلی نشست : تربیتی نشست: برائے کارکنان احرار — بعد نماز ظہر
دوسری نشست : بیانات علماء کرام — بعد نماز مغرب
12 ربیع الاول
تیسری نشست : درس قرآن کریم بعد نماز فجر / چوتھی نشست : تقریب پرچم کشائی 9 بجے صبح
پانچویں نشست : بیانات علماء کرام 10 تا 1 بجے دوپہر
جلوس دعوتِ اسلام، ظہر تا عصر (جامع مسجد احرار تا اڈا چناب نگر)
شعبہ تبلیغ تحفظِ ختم نبوت / مجلس احرار اسلام پاکستان
0301-3138803 0300-6326621 0300-9793093 0308-5838395 0315-9932942 0307-6101608
042-35912644 040-5482253 0301-6221750 0300-5780390 0301-5310385 0303-4611460

آیئے! اللہ تعالیٰ سے دعا کے ساتھ سود اور سودی قرض کے خلاف جنگ کا آغاز کریں!

ادائیگی قرض کی دعائیں

۱) ...... حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غلام نے عرض کیا میں اپنے آقا کو رقم ادا کر کے جلدی آزادی چاہتا ہوں۔ آپ میری مدد فرمائیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں تجھے دو کلمے سکھلا دیتا ہوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلائے تھے۔ اگر تجھ پر پہاڑ کے برابر بھی قرض ہوگا اللہ تعالیٰ ادا کر دے گا۔ وہ کلمات یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔

''الٰہی! حاجتیں پوری کر میری حلال روزی سے اور بچا حرام سے اور بے پروا کر دے مجھ کو اپنے فضل کے ساتھ اپنے ماسوا سے۔'' (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

۲)...... حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص مقروض ہو گیا تھا۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں وہ کلام سکھلا دیتا ہوں کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تیرا غم دور اور قرض ادا کر دے گا، صبح و شام یہ دعا پڑھا کرو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ۔

''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں فکر و غم سے اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں ناتوانی اور سستی سے اور بچاؤ چاہتا ہوں آپکے ساتھ بخل اور بزدلی سے اور پناہ میں آتا ہوں آپ کی قرض کے غلبے اور لوگوں کے سخت دباؤ سے۔'' (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

مرتبہ مولانا محمد امین مرحوم معلم اسلامیات، فیصل آباد